رساله در بیعت کردن امامان (علیهم السلام) با دیگران

الرد علی القائلین بأن الأئمة (علیهم السلام) بایعوا الظالمین

بقلم: سید علی اصدق نقوی

بنام خداوند کریم و بخشندہ، عرصہ دراز سے بعض افراد کی جانب سے سوالات آرہے تھے کہ امام علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ علیہم السلام نے کیا کسی غیر معصوم کی بیعت کی ہے یا نہیں؟ اور اگر کی ہے تو اس کی علت کیا تھی؟ اور ان افراد کو کیا جواب ہے جو کتب شیعہ میں سے روایات بیان کرتے ہیں اور ان سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام نے غیر معصوم کی بیعت کرلی تھی؟ ان میں سے ایک رفیق از مقبوضہ کشمیر ہیں اور اس کے علاوہ دیگر احباب ہیں جنہوں نے یہ سوال پوچھا، تو ہم نے اس وقت اس پر چند جوابات دیئے مگر پھر عزم کیا کہ اس پر مفصل گفتگو بھی کی جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ امام علیہ السلام کی بیعت کا حقیقی امر کیا ہے۔پس هدف این رساله آن است که ہم ان اشکالات کا عقلاً و نقلاً جواب دیں جو تشیع پر پیش کیئے جاتے ہیں اس سلسلے میں کہ معصوم علیہم السلام نے غیر معصوم کی بیعت کرلی تھی۔

جہاں تک معاملہ بیعت کا ہے، تو اس سے اصطلاح میں مراد ہے کسی فرد کا دیگر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حلف لینا کہ وہ اس کا تابع ہے اور اس کو حاکم تسلیم کرتا ہے۔ہاں، جہاں تک خواتین کی بات ہے تو چونکہ شرع مقدس میں نامحرم سے مصافحہ یا چھونا جائز نہیں تو عورتوں کی بیعت کا طریقہ یہ بیان ہوا ہے کہ حاکم اپنا ہاتھ پانی میں ڈالے جبکہ عورتیں بھی اپنا ہاتھ اس آب میں ڈالیں اور یوں بیعت متحقق ہو جائے گی جیسا کہ فریقین کی کتب میں ملتا ہے اور اس کے لیئے ہم بطور مثال شیخ کلینی علیہ الرحمہ کی کتاب الکافی کی جلد پنجم میں بَابُ صِفَةِ مُبَايَعَةِ النَّبِيِّ (صلى الله عليه وآله) النِّسَاءَ کی جانب اشارہ کرتے ہیں جہاں اس میں سے بعض مرویات آپ کو کتب شیعہ میں ملیں گی(1)۔اور معروف بیعتوں میں سے بیعت رضوان یا دیگر بیعتیں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہوا(2)۔

اب جہاں تک بعد از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعتوں کا تعلق ہے، تو اس امر پر امت مختلف الخیال والرائے ہے کہ امام علی علیہ السلام نے بیعت کی یا نہیں اور اگر کی تو کتنے عرصے بعد کی۔اس مختصر رسالے کو خاکسار نے ایک تمہید اور چند فُصول میں تقسیم کیا ہے۔تمہید میں بعض تمہیدی نقاط ہیں کہ بیعت کا مفہوم کیا ہے اور آیا معصوم کا غیر معصوم کی بیعت کرنا عقلاً جائز ہے یا نہیں، اس میں اغلب عقلی نقاط بیان ہوئے ہیں جو کہ پھر ہمیں guide کریں گے ان نقلی نقاط کا حل کرنے میں جو اس کے بعد ذکر ہونگے۔پہلی فصل امام علی علیہ السلام کی بیعت پر ہے، دوسری فصل دیگر ائمہ علیہم السلام کی بیعت پر ہے، جس میں امام علی علیہ السلام کے بعد کے ائمہ علیہم السلام کی بیعت پر بحث ہے، جبکہ تیسری فصل کچھ ذیلی استدلالات پر ہے جو کہ مخالفین کی جانب سے کیئے جاتے ہیں کہ ان ائمہ علیہم السلام کی بیعت متحقق ہوگئی تھی یا اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔حقیر ان شاءاللہ اس امر پر مفصل بحث کرے گا اور پھر اس کے پایان یعنی آخر میں نتیجہ و حصیلہ اور خلاصہ بھی پیش کرے گا، باذن ایزد متعال۔

آغاز میں ہم کچھ مقدماتی اور تمہیدی گفتگو کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہوگا کہ معصوم کا غیر معصوم کی بیعت کرنا کیوں عقلا جائز نہیں ہے۔ہم کہتے ہیں کہ انسان کامل جو کہ خدا کی طرف سے مامور ہوتا ہے عالم پر اور ان پر حجت ہوتا ہے جبکہ لوگ اس کی نسبت میں محجوج ہوتے ہیں اور وہ حاکم و غالب و قادر و قاہر ہوتا ہے تکوینی اعتبار سے جبکہ لوگ محکوم و مغلوب و مقدور و مقہور ہوتے ہیں۔یہاں ہم اس امر کی تفصیل بیان نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے اس کو اپنی دیگر مکتوبات میں بسط کیا ہے۔بالذات حاکمیت اللہ ہی کی ہے مگر وہ اس حاکمیت کو اپنے نامزد نائب یا نمائندے کو زمین کے لیئے مقرر کرتا ہے جب وہ اس کو خلیفہ قرار دیتا ہے۔لیکن جب یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی فرد صاحبِ عصمت ہے، اور ثابت ہو جائے کہ افضل کبھی مفضول کی بیعت نہیں کرتا، تو یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ صاحب عصمت بھی کبھی اس قاعدے سے تخلّف کر کے مفضول کی بیعت نہیں کرتا۔ابھی چونکہ ہم فقط مفہومی بحث کر رہے ہیں تو ہم استنتاج دے رہے ہیں اور مصداق میں نہیں جا رہے۔پس یہ بات مان کر کہ کوئی معصوم ہے، تو وہ ہمیشہ وہی فعل انجام دے گا جو حکمت کے عین مطابق ہو، اور حکمت کے عین مطابق وہی ہے جو احکام الہی کے مطابق ہے، اور احکام الہی میں یہ بھی ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔یعنی

مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) کبھی بیک وقت اپنے سے کمتر کا مُطیع (اطاعت کرنے والا) نہیں ہو گا کیونکہ یہاں اجماع نقیضین لازم آئے گا یا ترجیح بلامرجح لازم آئے گا کہ پھر کس کی اطاعت کو اولویت دی جائے، اور یہ محال ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿المؤمنون: ٣٤﴾

اور اگر تم اپنے جیسے بندے کی اطاعت کرو گے تو بیشک تم خسارے میں ہو گے۔

یعنی اپنے جیسے کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور بدیہی ہے کہ اس میں اپنے سے کمتر اور مساوی دونوں شامل ہیں بلکہ اپنے سے بالاتر و برتر کی اطاعت کی جائے گی جو کہ الہی نمائندہ ہو گا۔ پس اگر کسی کی افضلیت اور اس کا ہادی من جانب اللہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے لیئے محال ہے کہ وہ صاحب عصمت ہوتے ہوئے خدا کی مشیئت کے تابع نہ ہو بلکہ اس کے بر خلاف اور بر عکس عمل کرے۔ یہی امر تب ہے کہ جب کوئی افضل فرد غیر معصوم کی اقتداء میں ماموم ہو کر اس کی امامت میں نماز پڑھے، اگرچہ اہل سنت کے یہاں اس میں مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ہر برّ و فاجر کو حاکم مانا جا سکتا ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اس پر ابن تیمیہ کا کہنا ہے:

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُ مِنْ الصَّحَابَةِ يُصَلُّونَ خَلْفَ الحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ. وَكَانَ الصَّحَابَةُ وَالتَابعون يُصَلُّونَ خَلْفَ ابْنِ أَبِي عُبَيْدٍ وَكَانَ مُتَّهَمًا بِالإِلحَادِ وَدَاعِيًا إِلَى الضَّلالِ.

اور عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہ و تابعین ابن ابی عبید کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جس پر الحاد کی تہمت تھی اور وہ گمراہی کی طرف بلاتا تھا۔ (3)

اور عقیدہ طحاویہ میں ہے:

نَرَى الصَّلاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ

ہمارا ماننا ہے کہ ہر نیکوکار اور بدکار کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے اہل قبلہ میں سے۔ (4)

اور ان کے بقول افضل و فاضل بھی مفضول کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے بھی عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے نماز پڑھی تھی (5)، اور ان کے فقہاء کا فتویٰ ہے کہ فاضل بھی مفضول کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ عمل ممتنع ہے کیونکہ یہ ایسے ہی ہے کہ حاکم کبھی محکوم کی اطاعت کر سکتا ہے یا یہ کہ غیر معصوم کا قول و فعل کبھی معصوم کے قول و فعل پر مقدم ہو سکتا ہے، جو کہ محال ہے۔

مزید برآں، اگر ثابت ہو جائے کہ کوئی فرد خلیفہ بالحق ہے اور قائم بالحق ہے، تو اس کے لیئے لازم ہے کہ کسی اور کی بیعت نہ کرے کیونکہ ایک ہی وقت پر دو خلفاء کا منصب خلافت پر منصوب ہونا محال ہے، بلکہ خود کتب عامہ میں بھی ہے کہ اگر ایک وقت پر دو خلفاء کو بیعت دی جائے تو دوسرے کو قتل کر دیا جائے (6)۔ پس، اعتقاد شیعہ کی رو سے جبکہ امام وقت خلیفۂ وقت بھی ہوتا ہے، چاہے ظاہری حکومت کی زمام اس کے ہاتھ میں نہ بھی ہو، تو کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی غیر کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کرے جبکہ کتب شیعہ میں بھی ہے کہ ایک وقت پر دو حجتیں ہوں بھی تو ایک ان میں سے مجوج اور صامت و ساکت ہو گا (7)۔ پس، یہ محال ہے کہ ایک ہی وقت پر دو امام اور خلیفہ ہوں چاہے وہ حکومتی امور کو سنبھالے ہوئے ہوں یا نہیں۔ اور ظاہری طور پر دو خلیفہ تب ہی ہو سکتے ہیں جب دو افراد کو بیعت کر دی جائے، پس اس برہانِ خُلف سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت پر ایک ہی خلیفہ ہو سکتا ہے، اور جب کسی کی جانشینی منصوص من اللہ ہوتے ہوئے ثابت ہو جائے تو یہ محال ہو گا کہ وہ کسی اور کی بیعت کر لے۔

لہذا، یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک وقت پر ایک ہی امام اور خلیفہ ممکن ہے، اور جو من جانب اللہ ہو گا وہ معصوم ہو گا وہ عقلاً کسی اور کی بیعت نہیں کرے گا جو کہ در اصل اس کا محکوم اور مطیع ہے جبکہ وہ حاکم اور مطاع ہے اللہ کی طرف سے۔ نقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو کبھی ہمیں نہیں ملتا کہ اللہ کے کسی نبی یا وصی نے مفضول شخص کی بیعت کی ہو یا اس کی

حقانیت کو تسلیم کیا ہو، اگرچہ وہ ان کی حکومتوں کے ماتحت تھے بسا اوقات جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون لعین کا امر ہے۔ نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے جاہلیت کے دور میں کسی کی حاکمیت کو قبول کیا یا اپنے سے بالا کسی فرد کی بیعت کی۔ اب اس مفہومی بحث کے بعد ہم مصداقی بحث کی طرف چلتے ہیں، یعنی ہم فُصول کی گفتگو کو شروع کرتے ہیں۔

فصل اول: در بیعت امام علی علیہ السلام

امام علی علیہ السلام کے بارے میں امت کا اجماع واقع ہوا ہے کہ انہوں نے ابتداء میں خلیفۂ اول کی بیعت نہیں کی تھی۔ پھر اس پر ان کا اختلاف ہے کہ کی بھی تھی یا نہیں؟ اور اگر کی تھی تو کتنے عرصے بعد کی تھی؟ اس بارے میں مؤرخ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

ثم جعل الواحد بعد الواحد يبايع، ولم يبايع علي إلا بعد ستة أشهر وقيل أربعين يوما.

پھر ایک ایک کر کے سب نے بیعت کی، مگر علی علیہ السلام نے بیعت نہیں مگر چھے ماہ بعد، اور کہا جاتا ہے چالیس دن بعد۔ (8)

أقول: اہل سنت کے یہاں چھے ماہ تک بیعت نہ کرنے کا قول ارجح ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں آیا ہے:

...وَعَاشَتْ بَعْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ، دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيٌّ لَيْلاً . . . وَلَمْ يَكُنْ يُبَايِعُ تِلْكَ الأَشْهُرَ...

۔۔۔ اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد چھے ماہ زندگی کی۔ پس، جب ان کی وفات ہوئی تو امام علی علیہ السلام نے ان کو رات کو دفن کیا۔۔۔ اور ان مہینوں میں انہوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ (9)

لہذا، اہل سنت کے راجح قول کے مطابق سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی حیات تک امام علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی تھی جبکہ اس کے بعد کر لی تھی۔ اگرچہ کتب شیعہ میں اختلاف ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 75 ایام بعد ہوئی یا 95 بعد (10)، جس کی ایک علت یہ بھی ہے کہ سبعۃ اور تسعۃ کافی مشابہ ہیں اپنی لکھائی میں اور نُسّاخ (نسخے نقل کرنے والے کاتب) کبھی ان دونوں کو خلط کر دیا کرتے تھے۔ بہر کیف، اہل سنت کے یہاں بیعت میں تاخیر کرنا ثابت ہے اور اس کی علت بھی بعض مقامات پر بیان ہوئی ہے کہ امام علی علیہ السلام کو لگا کہ ان سے مشاورت کی جانی چاہیئے تھی خلافت کے معاملے میں۔ مگر اہل سنت میں سے ہمارے علم میں نہیں کہ کسی نے اصلاً و مطلقاً انکار کیا ہو کہ امام علیہ السلام نے بیعت کی ہی نہیں تھی۔ مزید برآں، اجباراً و اکراہاً بیعت لیئے جانے پر کتب اہل سنت میں بلاذری کی انساب الاشراف میں شواہد ملتے ہیں (11) اگرچہ بعض افراد بلاذری سے اس کتاب کی نسبت پر تردد کرتے ہیں جبکہ بعض خود بلاذری کی وثاقت پر بھی تحفظات رکھتے ہیں لیکن محققین کے نزدیک بلاذری معتبر مؤرخ ہیں اور یہ کتاب بھی ان سے ثابت ہے۔ اور چونکہ ہمارا موضوع اس کتاب کی صحت پر مناقشہ نہیں تو ہم اس کی تحقیق یہاں بیان نہیں کرتے۔ مگر بالاختصار یہ مُجرّد ایک دعویٰ ہے کہ یہ کتاب ثابت نہیں ہے۔

کتب امامیہ میں امام علی علیہ السلام اور بارہ افراد کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے خلیفۂ اول کی بیعت سے انکار کیا تھا اور ان کے خلاف احتجاج کیا تھا (12)۔ جبکہ کتب اہل سنت میں ہمیں سعد بن عبادہ اور بعض دیگر ان کی مثال ملتی ہے جنہوں نے اس سے انکار کیا تھا۔ اور سلمان فارسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کتب اہل سنت کے مطابق احتجاج کیا تھا جب حضرت ابو بکر بن ابی قحافہ کی بیعت کی گئی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر خاندان نبوت میں خلافت رکھی جاتی تو یہ امت کے حق میں بہتر ہوتا (13)۔ مگر کتب اہل تشیع میں کئی ایسی احادیث بھی ہیں کہ جبراً امیر المؤمنین علیہ السلام سے بیعت لی گئی۔ ہم ان روایات کو یہاں بیان کرتے ہیں اور ان کی سند و متن پر مناقشہ کرتے ہیں۔ الکافی کی جلد ہشتم میں مروی ہے:

حَنَانٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (عَلَيْهِ السَّلام) قَالَ . . . وَأَبَوْا أَنْ يُبَايِعُوا حَتَّى جَاءُوا بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (عَلَيْهِ السَّلام) مُكْرَهاً فَبَايَعَ

حنان نے اپنے والد (سدیر) سے جنہوں نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی جو فرماتے ہیں: ۔۔۔ اور انہوں نے بیعت سے انکار کیا حتیٰ کہ وہ امیر المؤمنین علیہ السلام کو زبردستی لائے تو انہوں نے بیعت کی۔ (14)

اس روایت کی سند میں سدیر کی اگرچہ کوئی توثیق وارد نہیں ہوئی مگر بعض افراد نے ان کو حسن الحدیث سمجھ کر قبول کیا ہے جبکہ ایک گروہ نے ان کی جہالت یعنی مجہول ہونے کا قول بیان کیا ہے۔ رجال کشی میں یہ روایت جس سند سے آئی ہے اس میں محمد بن عثمان نامی راوی بھی مجہول ہے۔ بہر کیف، یہ تنہا روایت نہیں ہے اس مضمون کی، اس کے علاوہ بھی اس امر پر کئی روایات ہیں، جیسے سید مرتضی علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے:

وقد روى إبراهيم بن سعيد الثقفي، قال: حدثنا أحمد بن عمرو البجلي، قال: حدثنا أحمد بن حبيب العامري، عن حمران بن أعين عن أبي عبد الله جعفر بن محمد عليهما السلام قال: (والله ما بايع علي عليه السلام حتى رأى الدخان قد دخل عليه بيته).

اور ابراہیم بن سعید ثقفی نے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں ہم سے احمد بن عمرو بجلی نے بیان کیا جنہوں نے کہا ہم سے احمد بن حبیب عامری نے بیان کیا جنہوں نے حمران بن اعین سے جنہوں نے امام أبو عبداللہ جعفر بن محمد علیہما السلام سے روایت کی جو فرماتے ہیں: بخدا، امام علی علیہ السلام نے تب تک بیعت نہیں کی جب تک انہوں نے یہ نہ دیکھ لیا کہ ان کے گھر میں دھواں داخل ہو گیا ہے۔(15)

ابراہیم بن سعید ثقفی ثقہ ہیں جیسا کہ علماء رجال نے بیان کیا ہے، لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ سید مرتضی رضی اللہ عنہ نے یہ عبارت ان کی کس کتاب سے اخذ کی ہے کیونکہ ان کی ایک ہی کتاب مطبوع ہے جو کہ الغارات ہے، اور اس میں یہ عبارت موجود نہیں ہے، اور نہ سید مرتضی نے اپنے سے ان تک سند دی ہے پس یہاں ایک انقطاع واقع ہوا ہے۔ نیز، اس روایت کی ان تک متصل سند کو مان بھی لیا جائے تب بھی اس روایت کی سند میں احمد بن عمرو بجلی مجہول ہیں، احمد بن حبیب عامری بھی مہمل ہیں اگرچہ حمران بن اعین ہمارے اصحاب کے نزدیک ممدوح و موثوق بہ ہیں۔ پس از لحاظ سند یہ روایت کمزور ہے، اور اس کا اصل مصدر بھی ہمیں دستیاب نہیں ہے۔ لیکن اس روایت کے متن میں بھی زبردستی بیعت کی طرف اشارہ ہے۔ ایک اور الکافی کی جلد ہشتم میں ہے:

حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْكِنْدِيِّ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ عَنْ أَبَانِ بْنِ عُثْمَانَ عَنِ الْفُضَيْلِ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (عَلَيْهِ السَّلام) قَالَ... كَتَمَ عَلِيٌّ (عَلَيْهِ السَّلام) أَمْرَهُ وَبَايَعَ مُكْرَهاً حَيْثُ لَمْ يَجِدْ أَعْوَاناً.

حمید بن زیاد نے حسن بن محمد کندی سے جنہوں نے ایک سے زائد فرد سے جنہوں نے ابان بن عثمان سے جنہوں نے فضیل سے جنہوں نے زرارہ سے جنہوں نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی جو فرماتے ہیں:۔۔۔امام علی علیہ السلام نے اپنا امر مخفی رکھا اور زبردستی بیعت کی کیونکہ ان کو کوئی ساتھی نہ ملے۔(16)

حمید بن زیاد ثقہ اور غیر امامی ہیں جبکہ حسن بن محمد کندی ہی حسن بن محمد بن سماعہ ابو محمد کندی ہیں جو ثقہ ہیں، جبکہ بیچ میں سند مرسل ہے اور باقی سب راویان بھی ثقات اور مشاہیر میں سے ہیں۔ پس، سندا یہ روایت مرسل اور ضعیف ہوگی اگرچہ اس میں بھی یہی علت بیان ہوئی ہے کہ بیعت زبردستی کی گئی کیونکہ ان کو ساتھی اور عون و مددگار نہ ملے۔ ایک اور روایت شیخ طبرسی رحمہ اللہ نے احتجاج میں نقل کی ہے جو کہ یوں ہے:

... قَالَ لَهُ أُسَامَةُ فَهَلْ بَايَعْتَهُ؟ فَقَالَ نَعَمْ يَا أُسَامَةُ فَقَالَ طَائِعاً أَوْ كَارِهاً فَقَالَ لا بَلْ كَارِهاً...

۔۔۔اسامہ نے امام علی علیہ السلام سے پوچھا: آپ نے ان کی بعت کر لی؟ امام علی علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، اے اسامہ۔ اسامہ نے کہا: چاہتے ہوئے یا پھر نہ چاہتے ہوئے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ نہ چاہتے ہوئے۔۔۔(17)

یہ روایت احتجاج طبرسی میں ہے، اور اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ یہ مرسل روایت ہے، اگرچہ اس میں اس ہی مفہوم کی تائید ہے جو کہ ہم از قبل بیان کر چکے ہیں۔ ایک اور روایت کتاب سلیم بن قیس عامری ہلالی میں ہے:

التهديد الخامس لعلي عليه السلام فقال عمر: قم يا علي بن أبي طالب فبايع. قال عليه السلام: فإن لم أفعل؟ قال: (إذا والله نقتلك). واحتج عليهم علي عليه السلام ثلاث مرات، ثم مد يده من غير أن يفتح كفه فضرب عليها أبو بكر ورضي منه بذلك. ثم توجه إلى منزله وتبعه الناس.

پانچویں دھمکی علی علیہ السلام کو۔ حضرت عمر نے کہا: اٹھیئے اے علی بن ابی طالب اور بیعت کیجیئے۔ امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اور اگر میں نے یہ نہ کیا؟ کہا: تب، خدا کی قسم، ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ اور علی علیہ السلام نے ان کے خلاف تین چیزوں سے حجت قائم کی۔ پھر انہوں نے اپنا ہاتھ پھیلایا بغیر اپنی ہتھیلی کو کھولے، اور حضرت اُبو بکر نے اس کو ہاتھ لگایا اور ان سے اس پر راضی ہو گئے۔ پھر وہ اپنے گھر کو روانہ ہوئے اور لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلے۔(18) بعض دیگر روایات میں بھی یہی مفہوم وارد ہوا ہے (19)۔

یہ اس بیعت کی کیفیت پر شاید سب سے تفصیلی روایت ہے۔ اس میں زبردستی کا بھی ذکر ہے اور ساتھ ہی ذکر ہے کہ بیعت عمومی نہیں تھی بلکہ فقط ہاتھ بند کر کے آگے بڑھایا جس کو پھر خلیفہء اول نے ہاتھ لگایا۔ اور کئی کتب اہل سنت میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے دھمکی اور تہدید دینے کے بعد ہی امام علی علیہ السلام نے بیعت کی تھی (20) مگر یہ بخاری و دیگر کتب سے مُعارض ہے جن میں یہ لکھا ہے بیعت امام علی علیہ السلام نے سید فاطمہ علیہاالسلام کی وفات کے بعد دی تھی نہ کہ ان کی زندگی میں ہی دھمکی ملنے کے بعد، پس بیعت کی ان تمام روایات میں آپسی تضاد ہے۔ لیکن معاملہ جیسا بھی ہو، خود یہ ایک سوالیہ نشان ہے کہ چھے ماہ بیعت کیوں نہ کی اور چھے ماہ کیسے ان کو جینے دیا بیعت کیئے بغیر اور پھر اچانک چھے ماہ بعد ہی کیوں بیعت کر لی؟ اس بارے میں بخاری و مسلم میں الفاظ کچھ یوں ہیں کہ:

. . .اسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ وُجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ . . .

۔۔۔ علی علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگوں کے چہرے ان سے پھرے ہوئے ہیں تو انہوں نے حضرت ابو بکر سے مصالحت اور ان کی بیعت کی التماس کی۔۔۔(21)

تو یہ امر عجیب ہے کہ اچانک لوگوں کا رویہ ایسا کیوں ہو گیا سید سلام اللہ علیہا کے بعد؟ دیگر روایات سے یہی سمجھ آتی ہے کہ ان پر زور اور زبردستی بہت تھی بیعت کرنے کی جو کہ بظاہر اس کے بعد اور بڑھ گئی۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الشافی فی الامامۃ میں بھی اس پر مفصل بحث کی ہے اور کئی عقلی و نقلی دلائل ذکر کر کے کہا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے جو بیعت کی وہ تقیۃً تھی اور ان کو مجبور کیا گیا تھا یہ کرنے پر اس لیئے اور ایسی بیعت دراصل متحقق ہوتی ہی نہیں ہے (22)۔ بالجملہ یہ وہ روایات تھیں جو اس پر وارد ہوئی ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے بیعت کی تھی اور وہ بھی مجبوری کی حالت میں۔ اس کے علاوہ وہ افراد بعض دیگر قرائن بھی پیش کرتے ہیں کہ مولا علی علیہ السلام اس بیعت سے راضی تھے جن میں سے ایک عبارت نہج البلاغہ میں شریف رضی علیہ الرحمہ نے بیان کی ہے اس خط میں جو جناب امیر علیہ السلام نے معاویہ کو لکھا تھا:

إِنَّهُ بَايَعَنِي الْقَوْمُ الَّذِينَ بَايَعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلَى مَا بَايَعُوهُمْ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَخْتَارَ وَلا لِلْغَائِبِ أَنْ يَرُدَّ؛ وَإِنَّمَا الشُّورَى لِلْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ فَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ إِمَاماً كَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ رِضاً . . .

میری ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنھوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی بیعت کی تھی اس بناء پر جس پر انہوں نے ان کی بیعت کی تھی۔ پس حاضر فرد کے لیئے اختیار نہ تھا نہ ہی غائب کے لیئے رد کرنا تھا، شوریٰ تو بس مہاجرین و انصار کی ہے۔ پس اگر وہ کسی شخص پر جمع ہو کر اس کو امام کہہ دیں تو وہ اللہ کی رضامندی ہے۔۔۔ (23)

اس عبارت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ امام علی علیہ السلام اپنے قبل کے خلفاء کی بیعت سے راضی تھے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات بلاسند ہے اور چاہے نہج البلاغہ میں بھی ہو تب بھی اس سے یہ بات قطعی نہیں ہو جاتی کیونکہ نہج البلاغہ میں بہت سی عبارات زیر سوال ہیں اور ان کو بھی ان ہی معیارات پر پرکھا جائے گا جن پر دیگر اقوال پرکھے جائیں گے۔ اور نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں یہ روایت اس ہی متن سے درج ہے اور اس کا راوی شعبی ہے جو ہمارے نزدیک مطعون و مجروح ہے۔ پس سنداً تو یہ قول ثابت نہیں ہے، اور اگر ہم اس کا متن تسلیم کر بھی لیں تو یہ امام علیہ السلام کی طرف سے فقط معاویہ کو ایک الزامی جواب یا دلیلِ نقضی ہے کہ میں بھی تو اس ہی معیار پر خلیفہ بنا ہوں جو تم پہلے سے قبول کرتے ہو تو میری خلافت پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں تمہاری جانب سے، اس کو کہتے ہیں، الِاحتجاج علی المخالف بما اُلزم بہ نفسہ، یعنی فریق مخالف کے خلاف اس ہی سے استدلال کرنا جو وہ نظریات وہ خود رکھتا ہو، کیونکہ وہ اپنے معیار کے علاوہ بات کو قبول نہیں کرے گا۔ یہ الزامی جواب ایسے ہی ہے جیسے جب کوئی شیعہ کسی سنی کتاب جیسے صحیح بخاری سے حوالہ دے اپنے مقدمے کے لیئے۔ اب شیعہ تو اس کتاب کو حجت نہیں مانتا مگر سنی کے لیئے تو وہ حجت ہے اس لیئے وہ پیش کی جا رہی ہے۔ ایسے ہی امام علیہ السلام نے معاویہ پر اس کے مسلمات سے ہی حجت قائم کی کہ تمہارے معیارات تو یہ ہیں اور اس پر بھی میری خلافت کی صحت قائم ہو جاتی ہے تو تمہارا اعتراض ممکن ہی نہیں، فاُقیمَتْ علیہ الحجۃ و اُبْطِلَتْ دعواہ۔

ایک اور قرینہ وہ لاتے ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے سابقہ خلفاء کو مشورے دیئے اور ان کے احکامات کو overturn نہیں کیا جب وہ خلافت ظاہری کے منصب پر آئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو مشورہ دینا حکمت کا تقاضا تھا، اور کوئی عصمت نہیں ہوتی مگر حکمت کے ساتھ جیسا کہ بعض روایات میں ہے (24)۔ پس حکمت کا لازمہ تھا کہ وہ تعلقات کو بحال رکھتے تا کہ امت کو فائدہ ہو سکے ان کی مشاورت سے۔ اور جہاں تک بات فدک کو نہ لوٹانے کی ہے تو اس کی علت روایات میں بیان ہوئی ہے کہ مقدمہ مدّعی اور مدعیٰ علیہ (یعنی دعویدار اور جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا) کی وفات کے بعد اب خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکا تھا تو اس لیئے امام علی علیہ السلام اس کو نہ واپس نہ لیتے کیونکہ اب حقیقی فیصلہ خدا کا ہی تھا (25)، نیز یہ کہ وہ فدک کے وارث تھے تو ضروری تھا وہ مقدمہ کرتے، لیکن وہ ساتھ ہی خلیفہ بھی تھے، تو وہ مقدمہ خود ان ہی کے سامنے پیش ہوتا۔ پس اس مقدمے میں وہ مدعی بھی ہوتے اور قاضی بھی اور وہ اپنے حق میں ہی فیصلہ کرتے، تو یہ لوگوں کی نگاہ میں زیادہ معیوب ہوتا اور اس سے لوگوں کو چہ می گوئیاں کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس لیئے حکمت یہی تھی کہ ایسے نہ کیا جاتا اور اس سبب امام علی علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا۔ اور اس ہی طرح دیگر امور کے بارے میں آیا ہے جو سابقہ خلفاء کے ادوار میں رائج کی گئیں جیسے تراویح وغیرہ جن کو امام علی علیہ السلام نے ختم نہیں کیا (26)، لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ امام علی علیہ السلام نے حضرت عثمان سے حج تمتع کے مسئلے پر اختلاف بھی کیا تھا اور کئی دیگر امور پر بھی اختلاف کیا تھا جیسا کہ کتب عامہ میں وارد ہوا ہے (27)۔

اب ہم ذکر کرتے ہیں ان قرائن کا جن سے اس کی نفی ہوتی ہے کہ وہ ان کی بیعت سے متفق تھے، اور ان کی عدم رضایت پر دالّ ہیں۔ اول قرینہ تو خود یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے خود اہل سنت کے مطابق چھے ماہ بیعت نہیں کی اور پھر اس پر ان کے یہاں کئی روایات ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے قرابت داری تھی جس کے سبب ہمیں لگا کہ ہمارا بھی ایک حق اور حصہ ہے خلافت میں اور ہم سے بھی مشاورت کی جائے۔ نیز یہ کہ کتب شیعہ مثلاً رجال کشی میں مروی ہے کہ محمد بن ابی بکر نے امام علی علیہ السلام کی جب بیعت کی تو سابقہ حکام سے براءت پر کی تھی (28)۔ ایک اور قرینہ جو کتب فریقین میں بیان ہوا ہے یہ ہے کہ جب امام علی علیہ السلام سے خلیفۂ دوم کی شوریٰ میں بیعت کی شرائط پر کہا گیا کہ آپ قرآن، سنت اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے تو امام علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں قرآن اور سنت پر عمل کروں گا جہاں تک ہو سکے جبکہ حضرت عثمان نے تینوں شرائط قبول کیں اور اس سبب ان کو خلیفہ بنایا گیا (29)۔ أضف إلى ذلك، کہ کسی تاریخی مصدر میں یہ نہیں ملتا کہ امام علی علیہ السلام نے خلیفۂ ثانی اور ثالث کی بیعت کی تھی کیونکہ خلیفۂ دوم کی تنصیب خلیفۂ اول نے کی تھی اور خلیفۂ سوم کی خلافت بھی شوریٰ سے قائم ہوئی تھی۔ پس، تینوں خلفاء الگ الگ معیار پر حکومت میں آئے تھے اور خلیفۂ اول کی سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی امام علی علیہ السلام موجود نہ تھے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی تجہیز و تکفین و تدفین میں مشغول تھے حکومتی امور کی بجائے جیسا کہ تواریخ میں ملتا ہے۔

ایک اور اہم قرینہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کبھی بھی بیعت نہ کی تھی خلیفۂ اول کی فدک کے واقعے کے بعد اور نہ ہی شیخین سے کلام کیا تھا اور ان کو امام علی علیہ السلام نے رات کو دفنایا تا کہ ان کے جنازے پر حضرت ابو بکر موجود نہ ہوں، یہ بات خود اہل سنت کتب میں درج ہے (30)۔ اور ساتھ ہی کتب اہل سنت میں یہ بھی درج ہے کہ جو بھی بغیر بیعت کے مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرا ہے (31) تو کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا، بتول و معصومہ، نے جاہلیت کی وفات پائی؟ کیونکہ انہوں نے تو کبھی بیعت نہیں کی تھی۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ ایسا ہی ہے، جو کہ صریح کفر ہے، یا یہ ماننا پڑے گا کہ انہوں نے امام برحق امام علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی ان کی خلافت کا حق اقرار کر کے مگر پھر اس سے کسی اور کی خلافت کا انکار کرنا پڑے گا۔ اور پھر یہ سوال آتا ہے کہ جب سیدہ سلام اللہ علیہا نے بیعت نہ کی تو ان کے شوہر نے کیوں کی؟ شاید کوئی اس کے جواب میں کہے کہ امام علی علیہ السلام نے جب بیعت کی تو انہوں نے سیدہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے بھی کر دی، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ فقہی حکم کہاں سے آیا کہ کوئی شوہر اپنی زوجہ کی طرف سے بیعت کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو بھی عورتوں سے الگ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے بیعت کیوں لی؟ اور اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ کسی کی وفات پانے کے بعد اس کی طرف سے بیعت کر دینے کا حکم کہاں سے اخذ ہوا ہے؟ کیا ایسا کوئی حکم وجود رکھتا بھی ہے۔ پس یہ نہایت غیر معقول بات ہے جس کی کوئی اساس نہیں ہے۔

ایک اور قرینہ یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام نے خود کتب اہل سنت کے مطابق شیخین کو خائن، آثم اور کاذب سمجھا تھا جیسا کہ صحیح مسلم سمیت کئی کتب میں منقول ہے (32)۔ ایک اور ذیلی و ضمنی بحث یہ ہو سکتی ہے جو تفضیل امیر المؤمنین بر سائر مردم ہے کہ امام علی علیہ السلام باقی افراد سے افضل و فاضل تھے، پس اس قاعدے کے تحت وہ مفضول کی بیعت نہیں کر سکتے تھے، البتہ ہم اس بحث کو یہاں نہیں چھیڑتے کیونکہ ہمارا ہدف یہ نہیں ہے۔ مگر بہت سے اہل سنت علماء تفضیلی رہے ہیں، جیسا کہ ابن عبد البر نے تفضیل امیر المؤمنین علیہ السلام پر اپنی کتب میں بحث کی ہے جیسے الاستیعاب اور الاستذکار وغیرہما میں اور اقوال و ادلہ نقل کیئے ہیں ان کی تفضیل پر (33)۔

مزید بر آن، کلام شیخ مفید رحمه الله درباره این مسئله اینطوری است :

[فصل الدلالة على عدم مبايعة أمير المؤمنين ع لأبي بكر]

(فصل) ومن كلامه أيضا في الدلالة على أن أمير المؤمنين ع لم يبايع أبا بكر قال الشيخ أدام الله عزه قد أجمعت الأمة على أن أمير المؤمنين ع تأخر عن بيعة أبي بكر فالمقلل يقول كان تأخره ثلاثة أيام ومنهم من يقول تأخر حتى ماتت فاطمة ع ثم بايع بعد موتها ومنهم من يقول تأخر أربعين يوما ومنهم من يقول تأخر ستة أشهر والمحققون من أهل الإمامة يقولون لم يبايع ساعة قط فقد حصل الإجماع على تأخره عن البيعة ثم اختلفوا في بيعته بعد ذلك على ما قدمنا به الشرح.

فصل: دلالت اس پر ہے امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت اُبو بکر کی بیعت نہیں کی تھی

(فصل)اوران کے کلام میں یہ بھی دلالت ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت اُبو بکر کی بیعت نہیں کی تھی۔ شیخ، اللہ ان کی عزت دائمی کرے، نے فرمایا ہے: امت کا اس پر اجماع ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت اُبو بکر کی بیعت میں تاخیر کی تھی۔ پس کم عرصہ ماننے والا کہتا ہے کہ انہوں نے تین دن تاخیر کی تھی، اوران میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ انہوں نے تب تک تاخیر کی جب تک فاطمہ علیہاالسلام کی وفات نہ ہوگئی، پھر انہوں نے ان کی وفات کے بعد بیعت کی۔ اوران میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ انہوں نے چالیس دن تاخیر کی، اوران میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ انہوں نے چھے ماہ تاخیر کی۔ اوراہل امامت میں سے محققین کہتے ہیں: انہوں نے ہر گز بیعت ہی نہیں کی تھی۔ پس اس پر تو اجماع ہوا ہے کہ انہوں نے بیعت میں تاخیر کی، پھر انہوں نے ان کی بیعت پر اس کے بعد اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اس کی شرح کو بیان کر چکے ہیں۔(34)

یہ بھی قابل غور ہے کہ کتب میں بیعت میں تاخیر کی مدت میں شدید اختلاف ہے جیسا کہ شیخ مفید قدس سرہ نے نشان دہی کی ہے۔ کسی روایت میں چھے ماہ، کسی میں چالیس دن، کسی میں چار ماہ اور کسی میں تو خود سقیفہ کے دن بیعت کرنے کا ہی ذکر ہے۔ اس اختلاف واضطراب میں بھی نشان دہی ہے کہ یہ روایات بعد میں جعلسازی ہیں جیسا کہ دیگر قرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اور ہمارا قول اپنی جگہ برقرار ہے کہ معصوم، انسان کامل، حجت اور افضل کبھی غیر معصوم، غیر انسان کامل، غیر حجت اور مفضول کی اطاعت واتباع و بیعت نہیں کرتا کیونکہ یہ عقلا محال ہے۔ ہاں، اگر رسمی طور پر اور رائج آراء میں ایسا کوئی واقعہ ہو جس سے لوگوں کو لگے کہ بیعت ہوگئی ہے تو وہ لوگوں کی رائے ہے اور اس سے شرعی طور پر اس بیعت کا متحقق ہو جانا لازم نہیں آتا۔ کتب شیعہ میں اس بیعت کے مجبور ا ہونے کا ذکر ہے اور اہل سنت کتب میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے اور جو دلائل وقرائن ہم نے نقل کیئے ہیں وہ بھی اس پر دلیل ہیں، لہذا یہ شرعی بیعت شمار ہی نہیں ہوگی کیونکہ جبراً لی گئی تھی نہ کہ رضایت سے۔ مگر شیخ مفید رحمہ اللہ جیسے فاضل علماء نے سرے سے جبری بیعت ہونے کا بھی رد کیا ہے اور اس قول کو محققین کی طرف نسبت دی ہے اور ہم بھی اسی قول کو راجح سمجھتے ہیں اور جبری بیعت کے قول کو مرجوح بلکہ مجروح۔

فصل دوم: در بیعت سائر ائمہ علیہم السلام

اس فصل میں دیگر ائمہ علیہم السلام کی بیعت اور اس کے گرد شبہات کا بیان اور ان شبہات کے رُدُود ہونگے۔ اول الذکر حسنین کریمین علیہاالسلام کی بیعت ہے معاویہ کو جو کہ رجال کشی میں یوں نقل ہوئی ہے:

176 جِبْرِيلُ بْنُ أَحْمَدَ وَأَبُو إِسْحَاقَ حَمْدَوَيْهِ وَإِبْرَاهِيمُ ابْنَا نُصَيْرٍ، قَالُوا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ الْعَطَّارُ الْكُوفِيُّ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ فُضَيْلٍ غُلَامِ مُحَمَّدِ بْنِ رَاشِدٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ (ع) يَقُولُ إِنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ (صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمَا) أَنِ اقْدَمْ أَنْتَ وَالْحُسَيْنُ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ! فَخَرَجَ مَعَهُمْ قَيْسُ بْنُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ وَقَدِمُوا الشَّامَ، فَأَذِنَ لَهُمْ مُعَاوِيَةُ وَأَعَدَّ لَهُمُ الْخُطَبَاءَ، فَقَالَ يَا حَسَنُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَيْنِ (ع) قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ قُمْ يَا قَيْسُ فَبَايِعْ فَالْتَفَتَ إِلَى الْحُسَيْنِ (ع) يَنْظُرُ مَا يَأْمُرُهُ، فَقَالَ يَا قَيْسُ إِنَّهُ إِمَامِي يَعْنِي الْحَسَنَ (ع).

جبرئیل بن احمد، ابو اسحاق حمدویہ اور ابراہیم بن نصیر، ان سب نے کہا: ہم سے بیان کیا محمد بن عبد الحمید عطار کوفی نے، انہوں نے یونس بن یعقوب سے جس نے فضیل، محمد بن راشد کے لڑکے سے روایت کی، اس نے کہا: میں نے امام صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا: بلاشبہہ معاویہ نے حسن بن علی علیہ السلام کو خط لکھا کہ آپ، حسین اور اصحاب

علی آجائیں۔ تو ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری نکلے اور وہ شام گئے۔ تو معاویہ نے ان کو آنے کی اجازت دی اور ان کے لیئے خطیبوں کا انتظام کیا اور کہا: اے حسن! کھڑے ہو اور بیعت کرو، تو وہ کھڑے ہوئے اور بیعت کی۔ پھر حسین علیہ السلام سے کہا: کھڑے ہو کر بیعت کرو، تو وہ کھڑے ہوئے اور بیعت کی۔ پھر کہا: اے قیس! کھڑے ہو اور بیعت کرو، تو وہ حسین علیہ السلام کی طرف مڑے، دیکھنے کے لیئے کہ وہ کیا حکم دیتے ہیں۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے قیس! وہ میرا امام ہے! ان کی مراد تھی حسن ع۔(35)

کما یلاحظ، اس روایت میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام دونوں نے امیر شام کی بیعت کی اور پھر قیس بن سعد بن عبادی انصاری سے بھی کروائی۔ اس روایت کی سند میں کلام ہے، کیونکہ جبریل بن احمد کی کوئی صریح توثیق نہیں ہے اگرچہ بعض نے ان کو مقبول شمار کیا ہے قرائن سے، اور ابو اسحاق حمدویہ سے مراد حمدویہ بن نصیر ہیں جو کہ ثقہ ہیں، لیکن اس سند میں باقی افراد ثقات ہیں سوائے فضیل کے جو محمد بن راشد کا غلام ہے، یہ مجہول الحال ہے جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے(36)۔ لہذا یہ راویت از اعتبار سند مجہول تصور ہوگی کیونکہ مرکزی راوی ہی مجہول ہے۔ اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو یہ خبر واحد ہے جس کی تائید میں اور متون یا شواہد و متابعات نہیں ملتے جس سے اس کو قبول کیا جائے۔ بلکہ اس سے اگلی ہی روایت جو رجال کشی میں نقل ہوئی ہے جس کی سند اس سے زیادہ قوی ہے، اور اس میں صرف قیس کی بیعت کا ذکر ہے بدون ذکر بيعة الإمام الحسن عليه السلام أو الإمام الحسين عليه السلام(37)۔ بلکہ ایک صحیح سند روایت میں تین افراد کو سب سے شریر شمار کیا گیا ہے جن میں سے ایک امیر شام بھی ہے(38)، تو کیسے ممکن ہے کہ سرداران نوجوانان جنت اس کی بیعت کر لیں؟ اس رجال کشی کی روایت کے علاوہ ایک اور روایت بھی ملتی ہے اس امر پر جو کتاب سلیم بن قیس میں یوں بیان ہوئی ہے:

...وَقَدْ هَرَبَ رَسُولُ اَللَّهُ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مِنْ قَوْمِهِ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اَللَّهِ حَتَّى فَرَّ إِلَى اَلْغَارِ، وَلَوْ وَجَدَ عَلَيْهِمْ أَعْوَاناً مَا هَرَبَ مِنْهُمْ. وَلَوْ وَجَدْتُ أَعْوَاناً مَا بَايَعْتُكَ يَا مُعَاوِيَةُ...

۔۔۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی قوم سے رہائی حاصل کی جبکہ وہ ان کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے غار میں پناہ لی، اور اگر ان کو اپنی قوم کے خلاف مددگار مل جاتے تو وہ ان سے رہائی نہ لیتے۔ اور اگر مجھے بھی مددگار مل جاتے، تو میں کبھی تیری بیعت نہ کرتا اے معاویہ۔۔۔(39)

پس اس روایت میں ذکر ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو بھی مددگار نہ ملے ورنہ وہ کبھی بیعت نہ کرتے، اور ایسی ہی بات ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں امام علی علیہ السلام کے حوالے سے جبکہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے اسوہ حسنہ کے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت سلیم بن قیس کی کتاب میں ہے، اور یہ کتاب من حیث المتن مقبول ہے إلا ما خرج بدلیل، یعنی اس میں بھی ضروری نہیں کہ سو فیصد ہر بات قابل قبول ہے کیونکہ ہر حدیث کو قرآن، عقل، سنت، فطرت، تجربہ، سند وغیرہ سے پرکھ کر قبول کیا جائے گا۔ اور یہ روایت عقل کے قاعدے کے خلاف ہے کہ فاضل وافضل نے مفضول کی بیعت کر لی اور قرآن کے بھی خلاف ہے کہ:

... فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿ المائدة: ٢٣ ﴾

۔۔۔ پس تم ہی غالب ہو اور اللہ پر توکل کرو اگر تم مؤمن ہو۔

اور فرمایا ہے:

وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿ المائدة: ٥٦ ﴾

اور جو اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستداری کرے تو بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔

مگر اور ایسی کئی اور آیات ہیں جن میں مؤمنین کے غلبے کا ذکر ہے اور جیسا کہ "قاعدۃ نفی السبیل" ہے جس پر آیات و روایات سے استدلال ہوا ہے جیسے "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه" یا پھر وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿ النساء: ١٤١ ﴾، اور... وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿ التوبة: ٤٠ ﴾ اور ایسے کئی اور ادلہ جن سے اخذ ہوا ہے کہ کبھی بھی کسی شرعی حکم میں مؤمنین یا مسلمین پر کافرین کا غلبہ نہیں آسکتا۔ پس امام علیہ السلام کے لیئے

اولیٰ ہے کہ وہ اس کا ہر حال میں لحاظ رکھیں۔ احکام ثانویہ جب احکام اولیہ سے متعارض ہوں تو احکام اولیہ کو ترجیح نہیں دی جائے گی احکام ثانویہ پر بلکہ وہ مقدم ہونگے۔ اور ہر ذی ایمان جانتا ہے کہ حق پر امام حسن علیہ السلام تھے، اور عقل کا بھی حکم یہی ہے کہ باطل کو بھی حق پر غالب آنے نہیں دیا جاسکتا، اس سبب امام علیہ السلام سے معاذ اللہ غیر معقول فعل صادر نہیں ہو سکتا جس میں وہ باطل کا غلبہ ہونے دیں خود پر اور اپنے افعال سے باطل کی تقویت کا موجب بنیں۔

اب ہم کلام کرتے ہیں امام حسین علیہ السلام کی مزعومہ (alleged) بیعت کے بارے میں کہ انہوں نے والعیاذ باللہ یزید لعین کی بیعت کرنے کی درخواست کی تھی۔ شیخ مفید رحمہ اللہ نے کتاب الارشاد میں نقل کیا ہے:

ولمّا رأى الحسينُ نزولَ العساكرِ مع عمرِ بن سعدٍ بنينوى ومدَدَهم لقتاله أنفذَ إلى عمر بن سعد: «انّي أُريدُ أن ألقاكَ» فاجتمعا ليلاً فتناجيا طويلاً، ثمّ رجعَ عمرُ بنُ سعدٍ إلى مكانِه وكتبَ إلى عُبيَدِ اللهِ بن زيادٍ: أمّا بعدُ: فإنّ اللهَ قد أطْفأ النّائرةَ وجَمَعَ الكلمةَ وأَصلحَ أَمرَ الأمّة، هذا حسينٌ قد أَعطاني أن يرجعَ إلى المكانِ الّذي أتى منه أو أن يسيرَ إلى ثَغرٍ منَ الثُّغور فَيكونَ رجلاً منَ المسلمينَ، له ما لهم وعليه ما عليهم، أو أَن يأَتيَ أميرَ المؤمنينَ يزيدَ فيضعَ يدَه في يده، فيرى فيما بينَه وبينَه رأيَه، وفي هذا [لكم] رضىً وللأمّة صلاحٌ.

اور جب امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کے ہمراہ لشکروں کا نینوئی میں اترنا دیکھا تو انہوں نے عمر بن سعد کو پیغام بھیجا کہ مجھے تم سے ملنا ہے۔ پس وہ رات کو جمع ہوئے اور انہوں نے بہت وقت آپس میں گفتگو کی۔ پھر عمر بن سعد اپنی جگہ لوٹا اور اس نے عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا: امابعد، بیشک اللہ نے آگ بجھا دی ہے اور کلمہ کو جمع کر دیا ہے اور امت کے امر میں اصلاح کی ہے۔ یہ حسین علیہ السلام ہیں جنہوں نے مجھے کہا ہے کہ وہ اپنی جگہ لوٹیں گے جہاں سے آئے ہیں یا یہ کہ وہ کسی ایک علاقے میں جائیں گے اور مسلمانوں میں سے ایک فرد ہونگے۔ ان کے حق میں وہی ہوگا جو دیگر ان کے حق میں ہے اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہونگی جو دیگران پر ہیں۔ یا یہ کہ وہ امیر المؤمنین یزید کے پاس آئیں گے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھیں گے۔ اور اپنے اور یزید کے درمیان وہی رائے رکھیں گے جو اس کی رائے ہے۔ اور یہ آپ لوگوں کے لیئے رضامندی اور امت کے لیئے بھلائی ہے۔ (40)

معاذ اللہ اس روایت میں یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کرنے کی بھی بات کی تھی۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ بات کتب عامہ سے آئی ہے کیونکہ یہی بات طبری وابن عساکر وغیرہما نے اپنی کتب تاریخ میں نقل کی ہے (41) اور کتب شیعہ میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے سوائے وہ جو عامہ سے نقل ہو کر آیا ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی نہ ہی کتب شیعہ میں اس کی کوئی سند بیان ہوئی ہے۔ شیخ مفید قدس سرہ سے قبل ایسی ایک روایت ابو مخنف نے طریق عامہ سے اپنے مقتل میں روایت کی ہے جس کا مفہوم یہی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنی لاچاری کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان کو ان تین میں سے ایک چیز کو ماننے پر مجبور کیا جارہا ہے (یا پھر ان کو شہید کر دیا جائے گا) اور اس فرض پر کہ یہ روایت درست ہے تو اس میں یزید کی بیعت پر راضی ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ فقط اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مجبور کیا جارہا تھا کہ ان تین میں سے ایک بات کو قبول کرلیں جن میں سے ایک بات بیعتِ یزید تھی (42)۔ حالانکہ یہ امام حسین علیہ السلام کے مشہور قول کے بھی مخالف ہے جو کتب مقتل میں بیان ہوا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

مثلي لا يبايع مثله

مجھ جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا (43)۔

تو یہاں پر امام حسین علیہ السلام نے مضارع استعمال کیا ہے جو حال اور مستقبل دونوں کو شامل کرتا ہے عربی میں، تو پھر وہ معاذ اللہ اپنے قول کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں بعد میں؟ نیز یہ کہ یہ جو کلمات خط میں بیان ہوئے ہیں جس میں یزید کو امیر المؤمنین کہا گیا ہے اور بیعت کا ذکر ہے، یہ عمر بن سعد نے بیان کیئے ہیں، اور وہ ہمارے نزدیک ثقہ نہیں بلکہ فاسق و فاجر تھا۔ تو پھر ہم اس کے نقلِ قول پر کیسے اعتبار وانحصار کر سکتے ہیں جبکہ اس کی حالت یہ ہو اور روایت کے پچھلے حصے میں بیان نہ ہوا ہو کہ آپس میں کیا مکالمہ پیش آیا تھا؟ اس لیئے ہم اس متن کو قبول نہیں کرتے کیونکہ یہ عمر بن سعد کے کلمات میں سے ہے اور وہ غیر معصوم بلکہ غیر معتبر راوی ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اس فرمان میں ایک قاعدہ ہے کہ حسین علیہ السلام جیسا یعنی افضل و حجت و معصوم کبھی یزید جیسے یعنی مفضول و محجوج و ماثوم (گنہگار) کی بیعت نہیں کر سکتا، پس یہاں امام حسین علیہ السلام نے قاعدہ اور کلیہ بیان کر دیا جو کہ کلی و عمومی ہے اور تمام موارد میں اس کا اطلاق ہو سکتا ہے نہ کہ صرف سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مورد میں۔ اور اگر بیعت معاذ اللہ کرنا ہی تھی تو وہ مدینہ سے کیوں نکلتے جبکہ وہاں پر دیگران نے بھی یزید کے گورنر کو بیعت کرلی تھی، تو وہ بھی وہیں کر سکتے تھے؟ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ وہ یزید ملعون کی بیعت پر کبھی راضی نہ تھے۔ لہذا یہ محال

ہے عقلاً بھی اور نقلاً بھی ایسا واقع ہونا ثابت نہیں۔ اب یزید کا ہی ذکر ہو رہا ہے تو اس سلسلے میں ایک اور روایت ہے جس سے استدلال واحتجاج کیا جاتا ہے۔ یزید لعین کا مدینہ میں ورود اور ملاقات با امام سجاد علیہ السلام کو کتب شیعہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ ہم اس روایت کو نقل کرتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ روایت الکافی کی جلد ہشتم یعنی روضۃ الکافی میں ھکذا آئی ہے:

313- ابْنُ مَحْبُوبٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ (عَلَيْهِ السَّلام) يَقُولُ إِنَّ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ دَخَلَ الْمَدِينَةَ وَهُوَ يُرِيدُ الْحَجَّ فَبَعَثَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَأَتَاهُ فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ أَتُقِرُّ لِي أَنَّكَ عَبْدٌ لِي إِنْ شِئْتُ بِعْتُكَ وَإِنْ شِئْتُ اسْتَرْقَيْتُكَ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ وَاللَّهِ يَا يَزِيدُ مَا أَنْتَ بِأَكْرَمَ مِنِّي فِي قُرَيْشٍ حَسَباً وَلا كَانَ أَبُوكَ أَفْضَلَ مِنْ أَبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالإِسْلامِ وَمَا أَنْتَ بِأَفْضَلَ مِنِّي فِي الدِّينِ وَلا بِخَيْرٍ مِنِّي فَكَيْفَ أُقِرُّ لَكَ بِمَا سَأَلْتَ فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ إِنْ لَمْ تُقِرَّ لِي وَاللَّهِ قَتَلْتُكَ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ لَيْسَ قَتْلُكَ إِيَّايَ بِأَعْظَمَ مِنْ قَتْلِكَ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ (عَلَيْهِما السَّلام) ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وآله) فَأَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ حَدِيثُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (عَلَيْهِما السَّلام) مَعَ يَزِيدَ لَعَنَهُ اللَّهُ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (عَلَيْهِما السَّلام) فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَقَالَتِهِ لِلْقُرَشِيِّ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ (عَلَيْهِما السَّلام) أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أُقِرَّ لَكَ أَلَيْسَ تَقْتُلُنِي كَمَا قَتَلْتَ الرَّجُلَ بِالأَمْسِ فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ لَعَنَهُ اللَّهُ بَلَى فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ (عَلَيْهِما السَّلام) قَدْ أَقْرَرْتُ لَكَ بِمَا سَأَلْتَ أَنَا عَبْدٌ مُكْرَهٌ فَإِنْ شِئْتَ فَأَمْسِكْ وَإِنْ شِئْتَ فَبِعْ فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ لَعَنَهُ اللَّهُ أَوْلَى لَكَ حَقَنْتَ دَمَكَ وَلَمْ يَنْقُصْكَ ذَلِكَ مِنْ شَرَفِكَ .

برید بن معاویہ کہتے ہیں میں نے امام باقر علیہ السلام کو فرماتے سنا: یزید بن معاویہ مدینہ داخل ہوا اور حج کرنا چاہتا تھا تو اس نے قریش کے ایک شخص کو بلایا اور وہ اس کے پاس آیا۔ یزید نے اس سے کہا: کیا تو میرے لیئے اقرار کرتا ہے کہ تو میرا غلام ہے اور اگر میں چاہوں تو تجھے بیچ دوں اور اگر چاہوں تو تجھے غلامی میں رکھوں؟ تو اس شخص نے یزید سے کہا: خدا کی قسم، اے یزید! تو قریش میں نہ مجھ سے زیادہ عزت والا ہے حسب میں اور نہ ہی تیرا باپ میرے باپ سے افضل تھا جاہلیت میں اور نہ اسلام میں، اور نہ ہی تو مجھ سے دین میں افضل ہے نہ مجھ سے بہتر ہے۔ تو میں کیسے اس کا اقرار تیرے لیئے کروں جو تو نے طلب کیا ہے؟ پس یزید نے اس سے کہا: اگر تو نے اقرار نہ کیا تو خدا کی قسم میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس شخص نے کہا: تیرا مجھے قتل کرنا اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے جو تو نے حسین بن علیہما السلام، فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو قتل کیا ہے۔ تو یزید نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل ہو گیا۔ پھر علی بن حسین علیہما السلام کا واقعہ یزید لعنۃ اللہ کے ساتھ یہ ہوا کہ اس نے علی بن حسین علیہما السلام کو پیغام بھیجا اور وہی کہا جو اس قرشی سے کہا تھا۔ پس امام علی بن حسین علیہما السلام نے اس سے کہا: میں نے جو تو نے کہا ہے اس کا تیرے لیئے اقرار کیا ہے۔ میں ایک مجبور غلام ہوں۔ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے روک لے اور اگر چاہتا ہے تو بیچ دے۔ پس یزید لعنۃ اللہ نے ان سے کہا: یہ آپ کے حق میں بہتر ہے، آپ نے اپنا خون بہنے سے بچا لیا اور اس بات نے آپ کے شرف میں کوئی کمی نہیں کی۔ (44)

میں کہتا ہوں: اس روایت کی سند صحیح ہے، اگرچہ ابن محبوب نے کئی غرائب کو روایت کیا ہے اور اس نے کئی مقامات پر تدلیس بھی کی ہے جس میں مقاتل بن سلیمان، اُبو حمزہ ثمالی وغیرہ سے مرویات نمایاں مثال ہیں کہ جس کو ہم اپنی کتابِ رجال میں واضح کر چکے۔ اُبو ایوب اس میں ابراہیم بن عیسی خزاز ہیں جو کہ ثقہ ہیں مگر قرائن کی رو سے ابن محبوب اور اُبو ایوب کے درمیان ارسال بعید نہیں معلوم ہوتا۔ متن کے لحاظ سے بات کی جائے تو یزید لعین کا مدینہ آنا تواریخ میں وارد نہیں ہوا اور یہ امر ثابت نہیں ہے۔ اس ہی روایت کے حاشیہ میں علامہ مجلسی رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

هذا غريب إذ المعروف بين أهل السير أن هذا الملعون بعد الخلافة لم يأت المدينة بل لم يخرج من الشام حتى مات ودخل النار ولعل هذا كان من مسلم بن عقبة والى هذا الملعون حيث بعثه لقتل أهل المدينة فجرى منه ما في قتل الحرة ما جرى وقد نقل انه جرى بينه وبين علي بن الحسين (عليهما السلام) قريب من ذلك فاشتبه على بعض الرواة .

یہ بڑی عجیب بات ہے (کہ یزید مدینہ آیا)، کیونکہ اہل سیرت کے درمیان معروف ہے کہ یہ ملعون خلافت کے بعد مدینہ آیا ہی نہیں بلکہ شام سے کبھی نکلا ہی نہیں جب تک مر نہ گیا اور جہنم واصل ہو گیا۔ شاید یہ بات مسلم بن عقبہ سے ہے جو اس ملعون کا والی تھا، کیونکہ اس نے اُس کو اہل مدینہ کا قتل کرنے بھیجے تھا پس اس سے وہ جاری ہوا جو واقعہ حرہ میں قتل ہوا تھا۔ اور یہ منقول ہے کہ اس کے اور امام علی بن حسین علیہ السلام کے درمیان اس کے قریب کا ہی واقعہ پیش آیا تھا پس بعض راویان پر یہ بات مشتبہ ہو گئی۔ (45)

اس میں الکافی کے محقق نے اضافہ کیا ہے:

(آت) هذا الاحتمال في غاية البعد فان مسلم بن عقبة لم يكن قرشيا. ثم إن المسعودي روى عكس ذلك قال إن مسلم بن عقبة لما نظر إلى علي بن الحسين (عليه السلام) سقط في يديه وقام واعتذر منه، فقيل له في ذلك فقال قد ملا قلبي منه رعبا.

اور یہ احتمال بہت بعید ہے کیونکہ مسلم بن عقبہ تو قرشی تھا ہی نہیں۔ پھر یہ کہ مسعودی نے اس کے برعکس روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے جب امام علی بن حسین علیہ السلام کی جانب نگاہ کی تو ہاتھوں کے بل گر گیا اور اس نے کھڑے ہو کر ان سے معذرت کی۔ اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا: میرا دل ان کے رُعب سے بھر گیا تھا(46)۔

یہی بات محدث نوری رضی اللہ عنہ نے خاتمۃ المستدرک میں اور علامہ مجلسی رحمہ اللہ نے بحار الانوار میں بیان کی ہے(47)۔ اور یاد رہے کہ تاریخ دیگر نقلی علوم کی طرح استقرائی اور ظنی ہے اور اس میں کوئی بھی بات صد در صد نہیں ہے، اور خصوصاً یہ خبر واحد جو کہ عقل سلیم سے بھی معارض ہے کہ ایک امام معصوم ایسے فاسق و فاجر فرد کی عبودیت کا اقرار کرے گا۔ اگرچہ اس کی تاویل شاید یہ ہو سکتی ہے کہ امام علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ "أنا عبدك" یعنی میں تیرا غلام ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ "أنا عبد" میں ایک غلام ہوں، جس سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ وہ توریہ کر رہے ہوں اور کہنا چاہ رہے ہوں کہ میں اللہ کا غلام ہوں لیکن اس انداز میں کہ یزید کو کچھ اور لگے، یہی توریہ ہے اور یہ شریعت میں جائز ہے۔ مگر بہر کیف، یہ روایت تاریخی مسلمات سے معارض ہے جس کے سبب قابل قبول نہیں ہے کیونکہ جو خبر واحد تاریخی مسلمات سے ٹکرائے وہ متروک و مردود ہے۔ نیز یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگر امام سجاد علیہ السلام نے بیعت کرنی ہی تھی تو وہ کوفہ یا دمشق میں ہی بیعت کیوں نہ کرتے؟ انہوں نے وہاں سے واپسی کے بعد مدینہ میں ایک مدت بعد ہی کیوں بیعت کی جبکہ تمام واقعات بھی رونما ہو چکے اور وہ مدینہ بھی لوٹ گئے؟ ان تمام امور کے سبب یہ روایت، وإن صح سندها، قابل قبول نہیں ہے۔

ایک اور روایت جس سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے دیگران کی بیعت کی وہ امام مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کا قول ہے جو یوں مروی ہے:

...إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ لأَحَدٍ مِنْ آبَائِي ع إِلَّا وَقَدْ وَقَعَتْ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ لِطَاغِيَةِ زَمَانِهِ وَإِنِّي أَخْرُجُ حِينَ أَخْرُجُ وَلَا بَيْعَةَ لأَحَدٍ مِنَ الطَّوَاغِيتِ فِي عُنُقِي...

۔۔۔ میرے آباء واجداد میں کوئی نہیں تھا مگر یہ کہ ان کی گردن میں اپنے زمانے کے سرکش کی بیعت تھی۔ اور جب میں ظہور کروں گا تو میری گردن میں طواغیت (طاغوتوں) میں سے کسی کی بیعت نہ ہو گی۔۔۔(48)

اور ایک اور روایت امام حسن علیہ السلام کی صلح کی بعد کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

...أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّهُ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا وَيَقَعُ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ لِطَاغِيَةِ زَمَانِهِ إِلَّا الْقَائِمُ...

۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی گردن میں اپنے زمانے کے سرکش کی بیعت ہے سوائے قائم عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے۔۔۔(49)

از لحاظ سند، یہ دونوں روایات ہی مجاہیل یعنی مجہول (انجان یا ناشناختہ) راویان رکھتی ہیں اور اس سبب سنداً ضعیف شمار ہوں گی۔ مگر امام قائم علیہ السلام کے بارے میں دیگر بھی روایات ہیں کہ وہ جب ظہور فرمائیں تو ان کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں ہو گی(50) اور ان دیگر روایات میں یہ ذکر نہیں ہوا کہ سابقہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی گردن میں بیعت نہ تھی مگر سیاق سے ایسا لگتا ہے کہ ان کو یہاں استثناء حاصل ہے اس لیئے یہ ان کے لیئے بیان ہو رہا ہے خصوصیت کے طور پر، اور ان احادیث کی اس فہم کی تائید میں درج بالا دو روایات بھی ہیں۔ اور ان روایات میں گردن میں بیعت ہونے کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہ استعارہ ہے ان کی مجبوری کا کہ ان کے پاس مددگار نہ تھے ورنہ وہ قیام کرتے، جیسا کہ ان گذشتہ روایات میں ہے جو ہم نے بیان کی ہیں، اور امام صادق علیہ السلام سے بھی ایسی روایت آئی ہے کہ اگر ان کو چند مخلص ساتھی مل جاتے تو وہ بھی قیام اور خروج کر لیتے(51)۔ لیکن ایسا نہ ہو تو ظاہر حکومت دیگران کے ہاتھوں میں ہی رہی اور ائمہ علیہم السلام اس social contract یعنی معاشرتی پیمان و عقد و میثاق و عہد کے پابند تھے اور اس کے حساب سے ہی چل رہے تھے۔ کیونکہ اگر اس سے دوسری مراد لی جائے کہ تمام ائمہ علیہم السلام نے اپنے دور کے طاغوت کی بیعت کی تو امام حسین علیہ السلام کا تو یزید لعین کی بیعت کرنا کہیں وارد نہیں ہوا، تو پھر سب طاغوت کی بیعت میں کیسے تھے؟ پس اس سے مراد یہی لی جائے گی کہ یہاں بیعت سے مراد معاشرتی عقد کا پابند اور ظاہراً محکومیت میں ہونا ہے نہ کہ

ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے موسی علیہ السلام اپنے دور کے طاغوت یعنی فرعون کی حکومت کے زیر اور تحت جی رہے تھے اگرچہ انہوں نے باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی، مگر وہ پھر بھی اس معاشرتی عقد کے پابند تھے جو جاری تھا۔ یا جیسے جب سامری نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی پر لگایا تو ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں زمام حکومت نہیں تھی اس وقت مگر انہوں نے اس کی بیعت بھی نہیں کی ہوئی تھی۔ فعلی ھذا القیاس، ائمہ علیہم السلام کا بھی ان روایات سے بیعت کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ معاملہ ویسا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، وِالّا تضاد لازم آجائے گا، وھو محالٌ۔

فصل سوم: ذیلی استدلالات از مخالفین

اب ہم ذکر کریں گے ان مرویات کا جن کو بطور قرینہ استعمال کیا جاتا ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام بعض دیگران کے مطیع و متبع و مُبایع تھے۔ سب کے پہلے ذکر کرتے ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے خلیفۂ اول کے پیچھے نماز پڑھی جیسا کہ کتب شیعہ میں منقول ہے۔ مگر اگر ہم روایت پڑھیں تو وہ کچھ یوں ہے:

...وَحَضَرَ المَسْجِدَ وَوَقَفَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَصَلَّى لِنَفْسِهِ...

۔۔۔اور امام علی علیہ السلام مسجد میں حاضر ہوئے اور حضرت اُبو بکر کے پیچھے رُکے اور خود کے لیئے ہی نماز پڑھی۔۔۔(52)

اول تو یہ روایت تفسیر قمی سے آئی ہے جس کا انتساب علی بن ابراہیم قمی رحمہ اللہ سے مشکوک ہے بلکہ ثابت نہیں ہے کہ یہ کتاب ان کی ہے اگرچہ اس پر ایک طویل کلام ہے جس کو ہم یہاں بیان نہیں کریں گے کیونکہ ہم اپنی دیگر مکتوبات میں اس کو بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اگر اس روایت کو مانا بھی جائے تو اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ امام علی علیہ السلام مسجد میں آکر فرادیٰ کی نیت سے نماز پڑھتے تھے نہ کہ اقتداء میں۔ اگر کہا جائے کہ کیسے معلوم ہوا کہ فرادیٰ کی نیت ہی تھی تو جواب ہے کہ کیونکہ امام معصوم علیہ السلام سے یہ روایت مروی ہے اور انہوں نے ہی فرمادیا ہے کہ یہ امر یوں ہی پیش آیا تھا، فلا غبار علیہ إذ صلی منفرد الا مقتدیا بالإمام في المسجد۔ اس ہی طرح حسنین کریمین علیہما السلام کے بارے میں مروی ہے:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنِي مُوسَى حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ يُصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ بْنِ الحَكَمِ فَقَالُوا الأَجَانِبُ مَا كَانَ أَبُوكَ يُصَلِّي إِذَا رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ فَأَقُولُ لا وَاللَّهِ مَا كَانُوا يَزِيدُونَ عَلَى صَلاةِ الأَئِمَّةِ

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام دونوں مروان بن حکم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ پس اجنبیوں نے کہا: آپ کے والد تو نہیں پڑھا کرتے تھے جب وہ گھر لوٹتے تھے؟ تو میں کہتا ہوں: نہیں، خدا کی قسم، وہ اماموں کی نماز پر اضافہ نہیں کرتے تھے(53)۔

کتب اہل سنت میں بھی یہی روایت منقول ہے مختلف کتب میں(54)۔ اول تو یہ روایت ہماری کتب میں الجعفریات میں آئی ہے جس کا انتساب مشکوک ہے، اور اگر اس کا انتساب تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس روایت کی سند میں مجہول راویان ہیں جس کے سبب یہ ضعیف شمار ہوگی۔ اور اگر تب بھی اس روایت کے متن کو مان لیا جائے تو اس میں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ مروان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے تو ان کو واپس آکر پڑھنے کی ضرورت کیوں پڑتی۔ اور اس کے علاوہ اس نوعیت کی ایک روایت حمیری رحمہ اللہ کی قرب الاسناد میں یوں آئی ہے:

397– جَعْفَرٌ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: « كَانَ الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَقْرَآنِ خَلْفَ الإِمَامِ »

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے(55)۔

یہ بات ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے پڑھ کر قراءت نہیں کی جاتی، لیکن اگر یہ دونوں ائمہ علیہما السلام یوں کیا کرتے تھے تو یہ دلیل ہے کہ یہ فرادیٰ کی نیت سے نماز پڑھتے تھے نہ کہ جماعت کی نیت سے، جیسا کہ امام علی علیہ السلام کے حوالے سے بھی درج بالا روایت میں ہے۔ اگرچہ قرب الاسناد کتاب کی نسبت بھی حمیری رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ بعض نے اس پر اعتراض کیا ہے، لیکن یہ قرینہ بھی ہمارے قول کے حق میں ہے اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ وہ مسجد میں جاکر مروان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ ابھی یہ

قضیہ ہی ثابت نہیں ہوا چہ جائکہ اس کے رد میں کچھ بیان کرنا پڑے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے اس کو فرض کرتے ہوئے اس کا جواب بھی دیا ہے والحمد للہ۔ مزید برآن، خود مروان بن حکم کا کردار اہل سنت کے یہاں قبیح و شنیع ہے کیونکہ اس پر خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی مبارک زبان سے لعنت آئی ہے اور اس کو اور اس کے باپ حکم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے مدینہ سے جلاوطن بھی اس ہی سبب کر دیا تھا(56)۔ تو کیسے ممکن ہے کہ ایک ملعون کی اقتداء میں وہ ائمہ علیہم السلام نماز پڑھیں جن کی تعلیمات میں یہ ہے کہ امام جماعت کو عادل اور صحیح الاعتقاد والاعمال ہونا چاہیئے؟ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے اقوال و افعال میں تضاد ممکن نہیں ہے۔ لہذا اگر وہ ایسا کرتے بھی تھے، تو وہ انفرادی نماز پڑھتے تھے نہ کہ اقتداء میں۔

علاوہ ازاین، امام کاظم علیہ السلام نے ایک روایت میں خلیفہ وقت کو امیر المؤمنین کہا جب ایک خادم کو اس کے پاس کسی کام سے بھیجا:

...وَقَالَ امْضِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَرِّفْهُ بِهَذَا المَالِ وَمَا يُصْنَعُ بِهِ...

۔۔۔امام کاظم علیہ السلام نے خادم سے کہا: امیر المؤمنین کے پاس جاؤ اور اس کو اس مال کا بتاؤ اور کہ اس سے کیا کیا جائے۔۔۔(57)

مگر ایک تو یہ روایت مرسل ہے اور بلاسند مروی ہے، جبکہ اس روایت میں کوئی صراحت نہیں ہے کیونکہ وہ جب خادم سے مخاطب ہیں تو وہ اس کو اس کی فہم کے حساب سے جواب دے رہے ہیں، جیسے یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں قیدی سے عزیز مصر کا ذکر کر کے اس کو رب کہا حالانکہ وہ اس کو اپنا رب نہیں مانتے تھے لیکن سامنے والا فرد مانتا تھا تو اس کو اس حساب سے مخاطب کیا گیا، یہی بات یہاں ہمیں نظر آتی ہے اگر ہم اس روایت کو مان بھی لیں حالانکہ اس کا صدور معصوم علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ پس اس سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام نے خلیفہ منصور کی بیعت کر لی تھی۔ ایک روایت اور ہے جس میں امام رضا علیہ السلام نے مامون کو امیر المؤمنین کہا ہے:

...فَلَمَّا دَخَلَ أَبُو الحَسَنِ (ع) إِلَى المَأْمُونِ وَنَظَرَ إِلَى الْبَابِ مَسْدُوداً قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا هَذَا الْبَابُ الَّذِي سَدَدْتَهُ فَقَالَ رَأَى الْفَضْلُ ذَلِكَ وَكَرِهَهُ فَقَالَ (ع) إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ مَا لِلْفَضْلِ وَالدُّخُولِ بَيْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَحَرَمِهِ قَالَ فَمَا تَرَى قَالَ فَتْحَهُ وَالدُّخُولَ إِلَى ابْنَةِ عَمِّكَ وَلا تَقْبَلْ قَوْلَ الْفَضْلِ فِيمَا لا يَحِلُّ وَلا يَسَعُ فَأَمَرَ المَأْمُونُ بِهَدْمِهِ وَدَخَلَ عَلَى ابْنَةِ عَمِّهِ فَبَلَغَ الْفَضْلَ ذَلِكَ فَغَمَّهُ

جب امام ابوالحسن علیہ السلام مامون کے پاس داخل ہوئے اور دروازے کو بند دیکھا تو امام علیہ السلام نے مامون سے فرمایا: اے امیر المؤمنین، یہ کیا دروازہ ہے جس کو آپ نے بند کر دیا ہے؟ تو مامون نے کہا: فضل نے یہ دیکھا اور اس کو ناپسند کیا ہے۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ، فضل کا کیا لینا دینا امیر المؤمنین اور ان کے حرم میں مداخلت کرنے سے۔ مامون نے کہا: تو آپ کیا کہتے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کو کھولا جائے اور آپ کی بھتیجی کے پاس دخول، اور فضل کی بات نہ مانو اس میں جو حلال نہیں ہے اور نہ ہی درست ہے۔ تو مامون نے اس کو منہدم کروا دیا اور اپنی بھتیجی کے پاس داخل ہو گئے۔ یہ بات فضل کو پہنچی تو وہ غمگیں ہو گیا۔(58)

اس روایت کی سند میں اشکال نہیں، مگر یہ ایک طویل کلام ہے جو کہ خلوت میں امام رضا علیہ السلام اور مامون کے درمیان تھا، تو راوی یعنی ریان بن صلت کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی جس پر بعض جہات سے کچھ علماء رجال نے اشکال کیا ہے؟ بہر کیف، اس روایت کا متن ان کثیر روایات کے مخالف ہے جن میں آیا ہے کہ امام علی علیہ السلام کے علاوہ کسی کو امیر المؤمنین کہنا جائز نہیں، حتی کہ دیگر ائمہ علیہم السلام کو بھی، اور خاکسار اس پر پہلے ہی ایک رسالہ بنام "كلام الصادقين (عليهم السلام) في النهي عن التسمي بأمير المؤمنين" لکھ چکا ہے جس میں یہ تمام روایات درج ہیں۔ پس، یہ روایت ان روایات کے مخالف ہے، اور اگر مانا بھی جائے کہ یہ واقعہ پیش آیا تھا تب بھی اس کی توجیہ ممکن ہے کہ یہ تقیہ یا توریہ میں کہا گیا تھا کیونکہ مؤمنین پر ظاہری امارت تو پھر بھی مامون کے پاس تھی کیونکہ وہ وقت کا حاکم تھا۔ یا یوں کہہ لیں کہ عُرفِ عام میں اس کو امیر المؤمنین کہا جاتا تھا تو یہی استعمال کیا گیا، جیسا کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ یا شیخ مفید علیہ الرحمہ کے نام یہ نہیں ہیں بلکہ لقب ہے، اور اہل سنت یا دیگران بھی ان کا استعمال کرتے ہیں ان کے لیئے، تو کیا اس استعمال سے وہ ان کو حقیقت میں صدوق یعنی سچا اور مُفید یعنی فائدہ مند جانتے ہیں؟ ایسا بالکل نہیں ہے۔ لہذا یہی قاعدہ یہاں بھی جاری ہوگا کہ امیر المؤمنین کہہ دینا کسی کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ عُرفِ عام کے سبب کہا گیا ہے یا بطور طنز کہا گیا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی عالم دین سے مشکل سوال کرنے سے پہلے اس کو "یا عالم" کہہ کر مخاطب کرے تاکہ اس کے عدم علم کو آشکار کر سکے۔ لیکن یاد رہے کہ سند کا صحیح ہونا اور روایت کا ایک ہی سند سے نقل ہونا اس کو پھر بھی استقرائی اور ظنی رکھتا ہے اور اس سے وہ چیز استخراجی نہیں ہو جاتی کہ اب چونکہ سند معتبر ہے لہذا یہ روایت صد در صد صادر عن المعصوم ہے۔ لهذا، اس روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام رضا علیہ السلام نے مامون کی بیعت کر لی تھی۔ نیز یہ تمام روایات اخبار آحاد کی قبیل سے ہیں اور عقل صریح اور نقل متواتر کے مخالف ہونے کے باعث مردود ہیں۔ اور بہر صورت درایت کو روایت پر تقدم حاصل ہے جس وجہ سے روایات کی کثرت کی طرف نہیں بلکہ درایت کے حکم کو معتبر شمار کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، امام رضا علیہ السلام کا مامون کی ولی عہدی قبول کرنا بھی اس پر دلیل کے طور پر لایا جاتا ہے کہ انہوں نے بیعت کرلی تھی۔ حالانکہ اس میں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض مرویات میں ہے کہ مامون نے چاہا کہ امام رضا علیہ السلام کی بیعت کرکے ان کو خلیفہ بنادے (59)۔ اور ولی عہد ہونا اور اس کو قبول کرنا بھی دلیل نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں بیعت میں تھے کیونکہ یہ عمل بھی ان کی رضایت سے نہیں ہوا تھا بلکہ بارہا اصرار سے ہوا تھا جیسا کہ آپ کتب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، اور یہ بھی امام علی علیہ السلام کی مشاورت کی طرح تھا جس کی انجام دہی کے ذریعے سے امت کا فائدہ کیا جا سکتا تھا اور نہ قبول کرنے میں اس قدر فائدہ نہ تھا۔ پس حکمت کا کام انسان کامل کے لیئے یہی تھا کہ وہ اس کو قبول کرتا کیونکہ مصلحت عامہ مقدم ہے دیگر اشیاء پر۔ یہ اسی طرح تھا جیسے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿یوسف: ۵۵﴾ مگر اس میں بادشاہ مصر کی بیعت نہ تھی جو کہ دین حق پر نہ تھا۔ انہوں نے اس کافر بادشاہ کی حکومت میں کام کیا بلکہ خداوند سے دعاء کی کہ وہ ان کو اس عہدے پر فائز کردے اور وہ اس عہدے پر یقینا فائز بھی ہوئے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ایک نبی نے ایک کافر بادشاہ کی (جبری ہی صحیح) بیعت کرلی تھی؟ ہرگز نہیں۔

ایسا ہی معاملہ امام حسن علیہ السلام کی معاویہ سے مصالحت کا ہے، جس کو استعمال کرکے بعض افراد کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کی حکومت تسلیم کرلی تھی، حالانکہ وہ خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد تھے جبکہ معاویہ تو فئۃ باغیہ کا سالار اور ملوکیت کا مؤسس تھا۔ امام حسن علیہ السلام کی مصالحت کی وجہ پر شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے علل الشرائع میں باب باندھ کر بحث کی ہے (60) جبکہ کئی دیگر علماء نے اس پر ابحاث کی ہیں اور الگ سے کتب بھی لکھی ہیں جس کے سبب ہم اس پر تفصیلی بحث نہیں کریں گے اگرچہ چند مختصر نقاط بیان کریں گے۔

امام حسن علیہ السلام کا مصالحت کرنا معاویہ کے برحق ہونے یا اس کی حکومت کی صحت کی دلیل نہیں کیونکہ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی صلح حدیبیہ میں مشرکین سے صلح بھی مشرکین کی حکومت کو برحق تسلیم کرنا تھا، تو پھر فتح مکہ کوئی معنیٰ نہیں رکھے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے، لہذا صلح یا مصالحت کرنا فریق مخالف کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔ مزید برآں، وہ مصالحت بعض شروط کی بناء پر کی گئی تھی جیسا کہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے، بلا شرط مصالحت نہیں کی گئی تھی کہ علیٰ الاطلاق اس کی حکومت ہو جائے گی، اور ہمیں کتب اہل سنت میں انفرادی طور پر یہ بھی ملتا ہے کہ واحداً بعد واحد وہ شروط توڑی بھی گئی تھیں۔ اور کئی مقامات پر ائمہ علیہم السلام نے امام حسن علیہ السلام کی صلح کو خضر علیہ السلام کے افعال سے تشبیہ دی ہے کہ جس کی اصل حکمت لوگوں کے اذہان پر مخفی ہے مگر اولی الالباب اور صاحبان علم لدنّی یعنی راسخون در علم اس کو خوب جانتے ہیں۔ لہذا گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ یہ مصالحت معاویہ کے برحق ہونے پر دلیل ہے، بلکہ ہم اوپر ایک روایت بیان بھی کرچکے ہیں اور ایسی اور بھی روایات ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کے اصحاب نے ہی مصالحت پر زور دیا تھا اور امام حسن علیہ السلام کا ساتھ نہیں دیا تھا جیسے ان کو دینا چاہیئے تھا۔ پس یہاں بھی امام حسن علیہ السلام کو امت کی خاطر ایسا کرنا پڑا۔

نتیجہ

اس تمام بحث کا ماحاصل یا نچوڑ یہ ہے کہ کوئی بھی برہان اس امر پر قائم نہیں ہو سکتا کہ شرعاً ائمہ معصومین علیہم السلام نے مفضول کی بیعت کی ہو۔ اور عقلاً اس کی استحالت یعنی امتناع یعنی ناممکن ہونے پر برہان ہم پہلے ہی قائم کرچکے ہیں جبکہ نفی سبیل کا فقہی قاعدہ بھی اس ہی امر پر دلیل ہے۔ امام علی علیہ السلام کی تاخیر بھی ان کی عدم رضایت پر دلیل ہے اور دیگر قرائن بھی اس پر موجود ہیں جن کو ہم ذکر کرچکے ہیں۔ یہی بات دیگر ائمہ علیہم السلام کے لیئے ہے۔ اور یاد رہے کہ نقل کبھی عقل کے مخالف نہیں ہو سکتی، اس لیئے جب عقلی قاعدہ ثابت ہے کہ معصوم کبھی اطاعت ومبایعت غیر معصوم نہیں کر سکتا تو جب بظاہر لگے کہ ایسا ہوا ہے تب بھی اس کی حقیقت ایسے ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے افعال کو دیکھ رہے ہوں اور سمجھ رہے ہوں کہ یہ افعال حکمت سے خالی ہیں، مگر ایسا نہیں ہے، کیونکہ عصمت کے بغیر حکمت نہیں ہو سکتی۔ پس جب یہ امر ثابت ہے، تو معصوم سے حکمت کے سوا کچھ صادر نہیں ہوگا، اور حکمت کا تقاضا ہر صورتحال میں ایک سا نہیں ہوتا۔ البتہ کمزور اذہان کے افہام ان افعال کو حکمت سے عاری سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ افعال عصمت کے برخلاف ہیں حالانکہ ان کی قصر فہمی کے سوا یہ کچھ نہیں۔ پس، کسی معصوم کا شرعی بلکہ جبری طور پر کسی غیر معصوم کی بیعت کرنا کتب امامیہ سے ثابت نہیں ہوتا نہ ہی اس کی تائید میں جو لایا جاتا ہے وہ اس دعوے کو ثابت کرپاتا ہے، والحمدللہ۔

كَتَبَهُ سید علی اصدق نقوی

یکم شوال، 1443 ہجری قمری، بمطابق 3 مئی، 2022

ماخذ:

(1) الكافي، ج 5، ص 526 – 527

وأما كتب السنة: صحيح البخاري، الرقم: 2713، 4891، صحيح مسلم، الرقم: 1866، سنن أبي داود، الرقم: 2941

ويقول الله تبارك وتعالى في كتابه العزيز: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿الممتحنة: ١٢﴾

(2) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿الفتح: ١٠﴾

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿الفتح: ١٨﴾

(3) مجموع الفتاوى، ج 3، ص 281

(4) العقيدة الطحاوية، الرقم: 69

(5) صحيح مسلم، الرقم: 274، سنن أبي داود، الرقم: 149، الموطأ، الرقم: 72: ...قد قدَّموا عبد الرَّحمن بن عوفٍ... أو كما في الموطأ: ...وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ يَؤُمُّهُمْ...

وانظر: خلاصة الأحكام للنووي، ج 2، ص 702: (بَاب جَوَاز اقْتِدَاء الْفَاضِل بالمفضول) ٢٤٥٢ – فِيهِ حَدِيث صَلَاة النَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خلف عبد الرَّحْمَن بن عَوْف، وَغَيره، ممَّا سبق.

شرح مسلم للنووي، ج 3، ص 172 – 173: اعْلَمْ أَنَّ هَذَا الحَدِيثَ فِيهِ فَوَائِدُ كَثِيرَةٌ مِنْهَا جَوَازُ اقْتِدَاءِ الْفَاضِلِ بِالمَفْضُولِ وَجَوَازُ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَ بَعْضِ أُمَّتِهِ وَمِنْهَا أَنَّ الأَفْضَلَ تَقْدِيمُ الصَّلَاةِ فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ فَإِنَّهُمْ فَعَلُوهَا أَوَّلَ الْوَقْتِ وَلَمْ يَنْتَظِرُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهَا أَنَّ الإِمَامَ إِذَا تَأَخَّرَ عَنْ أَوَّلِ الْوَقْتِ اسْتُحِبَّ لِلْجَمَاعَةِ أَنْ يُقَدِّمُوا أَحَدَهُمْ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِذَا وَثِقُوا بِحُسْنِ خُلُقِ الإِمَامِ وَأَنَّهُ لا يَتَأَذَّى مِنْ ذلك ولا يترتب عليه فتنة فاما إذا لَمْ يَأْمَنُوا أَذَاهُ فَإِنَّهُمْ يُصَلُّونَ فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ فُرَادَى ثُمَّ إِنْ أَدْرَكُوا الجَمَاعَةَ بَعْدُ ذلك استحب لَهُمْ إِعَادَتُهَا مَعَهُمْ وَمِنْهَا أَنَّ مَنْ سَبَقَهُ الإِمَامُ بِبَعْضِ الصَّلَاةِ أَتَى بِمَا أَدْرَكَ فَإِذَا سَلَّمَ الإِمَامُ أَتَى بِمَا بَقِيَ عَلَيْهِ وَلا يَسْقُطُ ذَلِكَ عَنْهُ بِخِلَافِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فَإِنَّهَا تَسْقُطُ عَنِ المَسْبُوقِ إِذَا أَدْرَكَ الإِمَامَ رَاكِعًا وَمِنْهَا اتِّبَاعُ المَسْبُوقِ لِلإِمَامِ فِي فِعْلِهِ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ وَجُلُوسِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ مَوْضِعَ فِعْلِهِ لِلْمَأْمُومِ وَمِنْهَا أَنَّ المَسْبُوقَ إِنَّمَا يُفَارِقُ الإِمَامَ بَعْدَ سَلَامِ الإِمَامِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

شرح الزرقاني على الموطأ، ج 1، ص 171: (فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – صَلَاتَهُ قَالَ: أَحْسَنْتُمْ) إِذْ جَمَعْتُمُ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، وَيُحْتَمَلُ أَنَّهُ أَرَادَ أَنْ يُسَكِّنَ مَا بِهِمْ مِنَ الْفَزَعِ، قَالَهُ الأَصِيلِيُّ، وَقَدْ زَادَ مُسْلِمٌ يَغْبِطُهُمْ: أَنْ صَلَّوْا لِوَقْتِهَا بِالتَّشْدِيدِ أَيْ يَحْمِلُهُمْ عَلَى الْغِبْطَةِ لأَجْلِ ذَلِكَ وَيَجْعَلُ هَذَا الْفِعْلَ عِنْدَهُمْ مِمَّا يُغْبَطُ عَلَيْهِ، وَإِنْ رُوِيَ بِالتَّخْفِيفِ فَيَكُونُ قَدْ غَبَطَهُمْ لِتَقَدُّمِهِمْ وَسَبْقِهِمْ إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَهُ ابْنُ الأَثِيرِ. قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: وَفِي قَوْلِهِ أَحْسَنْتُمْ أَنَّهُ يَنْبَغِي شُكْرُ مَنْ بَادَرَ إِلَى أَدَاءِ فَرْضِهِ وَعَمِلَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ وَفُضِّلَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ إِذْ قَدَّمَهُ الصَّحَابَةُ بَدَلًا عَنْ نَبِيِّهِمْ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –، وَفِيهِ اقْتِدَاءُ الْفَاضِلِ بِالمَفْضُولِ، وَصَلَاةُ النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – خَلْفَ بَعْضِ أُمَّتِهِ.

الإستذكار، ج 1، ص 216: وَفِيهِ جَوَازُ صَلَاةِ الْفَاضِلِ خَلْفَ المَفْضُولِ وفيه أنه رسول الله حين صلى مع بن عَوْفٍ رَكْعَةً جَلَسَ مَعَهُ فِي الأُولَى ثُمَّ قَضَى مَا فَاتَهُ مِنَ الأُخْرَى فَكَانَ فِعْلُهُ هَذَا كَقَوْلِهِ ((إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ)) وَفِي قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ ذَلِكَ فِي فِعْلِهِمْ ذَلِكَ ((أَحْسَنْتُمْ)) دَلِيلٌ أَنَّهُ يَنْبَغِي أَنْ يُحْمَدَ وَيُشْكَرَ كُلُّ مَنْ بَرَزَ إِلَى أَدَاءِ فَرْضِهِ وَعَمِلَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ عَمَلُهُ وَفِيهِ فَضْلٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ إِذْ قَدَّمَهُ جَمَاعَةُ الصَّحَابَةِ لأَنْفُسِهِمْ فِي صَلَاتِهِمْ بَدَلًا مِنْ نَبِيِّهِمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور اس ہی طرح ان کے یہاں احادیث ہیں کہ کسی نبی کی روح قبض نہیں ہوتی جب تک وہ کسی امتی کے پیچھے نماز نہ پڑھ لے۔ دیکھیئے: الطبقات الکبری، ج 3، ص 129، صفة الصفوة، ج 1، ص 131، کشف المشکل من حدیث الصحیحین، ج 1، ص 216، الخصائص الکبری، ج 1، ص 459، : ...مَا قُبِضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يُصَلِّيَ خَلْفَ رَجُلٍ صَالِحٍ مِنْ أُمَّتِهِ... أو كما ورد في بعض كتبهم: ...ما قُبِضَ نبيٌّ قطُّ حتَّى يصلِّي خلفَ رجلٍ صالحٍ من أمته...

(6) صحيح مسلم، الرقم: 1853: ...إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الآخَرَ مِنْهُمَا...

(7) بصائر الدرجات، ص 392، 506، 531 و 536، الإمامة والتبصرة، الرقم: 90، الكافي، ج 1، ص 178، 321 و 354، علل الشرائع، ج 1، ص 254، عيون أخبار الرضا، ج 2، ص 101، كمال الدين، ج 1، ص 224، 233 و ج 2، ص 416، مختصر بصائر الدرجات، ص

65، كتاب سليم بن قيس الهلالي، ص 352، دلائل الإمامة، الرقم: 408، الإرشاد، ج 2، ص 278، الإختصاص، ص 329، الفصول المختارة، ص 290: بلفظ: إماماں

(8) تاريخ اليعقوبي، ج 2، ص 126

(9) صحيح البخاري، الرقم: 4240 و 4241

(10) الكافي، ج 1، ص 241، مكاتيب الرسول، ج 3، ص 679

(11) أنساب الأشراف، ج 1، ص 586 – 588

(12) رجال البرقي، ص 63، الخصال، ص 461

(13) مصنف ابن أبي شيبة، الرقم: 37094 وغيره: ٣٧٠٩٤ – هُشَيْمٌ , عَنِ الْعَوَّامِ , عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ , قَالَ: لَمَّا بُويِعَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ: قَالَ سَلْمَانُ: «أَخْطَأْتُمْ وَأَصَبْتُمْ , أَمَّا لَوْ جَعَلْتُمُوهَا فِي أَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ لأَكَلْتُمُوهَا رَغَدًا»

وانظر: صحيح البخاري، الرقم: 6830: فَوَاللَّهِ مَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ إِلاَّ فَلْتَةً، فَتَمَّتْ... فَلاَ يَغْتَرَّنَّ امْرُؤٌ أَنْ يَقُولَ إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلْتَةً وَتَمَّتْ أَلاَ وَإِنَّهَا قَدْ كَانَتْ كَذَلِكَ وَلَكِنَّ اللَّهَ وَقَى شَرَّهَا...

(14) الكافي، ج 8، ص 245 – 246، الرقم: 341، تفسير العياشي، ج 1، ص 199، رجال الكشي، الرقم: 12

(15) الشافي في الإمامة، ج 3، ص 241

شریف مرتضی علیہ الرحمہ کا ایک اور حامل غرابت موقف ان کی دوسری کتاب میں ہے جہاں وہ فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام بھی اپنے برادر امام حسن علیہ السلام کی طرح صلح کرنا چاہتے تھے۔ دیکھیئے: تنزیه الأنبياء، ص 230 – 231:
فأما الجمع بين فعله (ع) وفعل أخيه الحسن فواضح صحيح، لان أخاه سلم كفا للفتنة وخوفا على نفسه وأهله وشيعته، واحساسا بالغدر من أصحابه. وهذا لما قوي في ظنه النصرة ممن كاتبه وتوثق له، ورأى من أسباب قوة أنصار الحق وضعف أنصار الباطل ما وجب عليه الطلب والخروج. فلما انعكس ذلك وظهرت امارات الغدر فيه وسوء الاتفاق رام الرجوع والمكافة والتسليم كما فعل أخوه، فمنع من ذلك وحيل بينه وبينه، فالحالان متفقان. إلا أن التسليم والمكافة عند ظهور أسباب الخوف لم يقبلا منه

اگرچہ علماء مانند شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے تلخیص الشافی میں اس موقف سے عدم اتفاق کو ظاہر کیا ہے۔

(16) الكافي، ج 8، ص 296، الرقم: 454

(17) الإحتجاج، ج 1، ص 87

(18) كتاب سليم بن قيس الهلالي، ص 390

(19) كتاب سليم بن قيس الهلالي، ص 157 و 390، الإختصاص، ص 187، مناقب آل أبي طالب، ج 1، ص 381: نضرب عنقك

(20) الإمامة والسياسة، ج 1، ص 30، المختصر في أخبار البشر، ج 1، ص 157، العقد الفريد، ج 5، ص 13، أنساب الأشراف، رقم الحديث: 1184، المصنف لإبن أبي شيبة، رقم الحديث: 37045، شرح نهج البلاغة، ج 2، ص 45، كنز العمال، ج 5، ص 651

(21) صحيح البخاري، الرقم: 4240 و 4241، صحيح مسلم، الرقم: 1759

(22) الشافي في الإمامة، ج 3، ص 217 – 273

(23) نهج البلاغة، ج 3، ص 7، الرقم: 6، وقعة صفين، ص 27 – 29

(24) العلم والحكمة في الكتاب والسنة، ص 94: الإمام علي (عليه السلام): قرنت الحكمة بالعصمة.

-عنه (عليه السلام): الحكمة عصمة، العصمة نعمة.

– عنه (عليه السلام): لا حكمة إلا بعصمة.

(25) علل الشرائع، ج 1، ص 154 – 155

(26) الكافي، ج 8، ص 58، الرقم: 21، مرآة العقول، ج 25، ص 131، الحدائق الناضرة، ج 11، ص 85، موسوعة أحاديث أهل البيت، الرقم: 4649، ألف سؤال والإشكال، ج 2، ص 83

(27) صحيح البخاري، الرقم: 1563 : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الحَكَمِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الحَكَمِ، قَالَ شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا ـ رضى الله عنهما ـ وَعُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ الْمُتْعَةِ وَأَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُمَا . فَلَمَّا رَأَى عَلِيٌّ، أَهَلَّ بِهِمَا لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ قَالَ مَا كُنْتُ لأَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِقَوْلِ أَحَدٍ .

(28) رجال الكشي، الرقم: 114، 115 و 166

(29) مسند أحمد، الرقم: 558، البداية والنهاية، ج 10، ص 212، تاريخ الطبري، ج 4، ص 233 و 238، تاريخ المدينة لإبن شبة، ج 3، ص 924، تاريخ ابن خلدون، ج 2، ص 570، العقد الفريد، ج 5، ص 32، المختصر في أخبار البشر، ج 1، ص 661، الكامل في التاريخ، ج 2، ص 444، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، ج 11، ص 277 – 278، تاريخ مختصر الدول، ج 1، ص 103 – 104، شرح الفقه الأكبر، ص 120، وضوء النبي (ص)، ج 2، ص 190، تاريخ اليعقوبي، ج 2، ص 162، الإستغاثة لأبي القاسم الكوفي، ج 2، ص 64، شرح نهج البلاغة، ج 12، ص 263

(30) صحيح البخاري، الرقم: 3771، 3772، 4240، 4241، 6725 و 6726، جامع الترمذي، الرقم: 1609، مصنف عبد الرزاق، الرقم: 6757

(31) صحيح مسلم، الرقم: 1851 : . . .وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً .

(32) صحيح مسلم، الرقم: 1757 : . . .فَرَأَيْتُمَاهُ كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنِّي لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ. . .

(33) الإستيعاب، ج 3، ص 1090 – 1097، الإستذكار، ج 5، ص 107

(34) الفصول المختارة، ص 56

(35) رجال الكشي، الرقم: 176

(36) المفيد من معجم رجال الحديث، الرقم: 9421

(37) رجال الكشي، الرقم: 177 : 177 حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ مَعْرُوفٍ، قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ أَبِي الْخَطَّابِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنْ ذَرِيحٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ (ع) يَقُولُ دَخَلَ قَيْسُ بْنُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ صَاحِبُ شُرْطَةِ الْخَمِيسِ عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ بَايِعْ! فَنَظَرَ قَيْسٌ إِلَى الْحَسَنِ (ع) فَقَالَ أَبَا مُحَمَّدٍ بَايَعْتَ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ أَمَا تَنْتَهِي أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي، فَقَالَ لَهُ قَيْسٌ مَا نسئت [شِئْتَ] أَمَا وَاللَّهِ لَئِنْ شِئْتَ لَتُنَاقِصَنَ، فَقَالَ، وَكَانَ مِثْلَ الْبَعِيرِ جَسِيماً وَكَانَ خَفِيفَ اللِّحْيَةِ، قَالَ، فَقَامَ إِلَيْهِ الْحَسَنُ فَقَالَ لَهُ بَايِعْ يَا قَيْسُ! فَبَايَعَ.

(38) الكافي، ج 8، ص 234، الرقم: 311 : ابْنُ مَحْبُوبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ (عَلَيْهِ السَّلام) . . . قَالَ وَثَلَاثَةٌ هُمْ شِرَارُ الْخَلْقِ ابْتُلِيَ بِهِمْ خِيَارُ الْخَلْقِ أَبُو سُفْيَانَ أَحَدُهُمْ قَاتَلَ رَسُولَ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وآله) وَعَادَاهُ وَمُعَاوِيَةُ قَاتَلَ عَلِيّاً (عَلَيْهِ السَّلام) وَعَادَاهُ وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ لَعَنَهُ اللهُ قَاتَلَ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ (عَلَيْهِما السَّلام) وَعَادَاهُ حَتَّى قَتَلَهُ.

(39) كتاب سليم بن قيس الهلالي، ص 458

(40) الإرشاد، ج 2، ص 87، روضة الواعظين، ص 182

(41) تاريخ مدينة دمشق، ج 45، ص 51، تجارب الأمم وتعاقب الهمم، ج 2، ص 71، الكامل في التاريخ، ج 3، ص 164، تاريخ الطبري، ج 5، ص 414

(42) مقتل أبي مخنف، ص 99 – 100 : قال أبو مخنف – واما ما حدثنا به المجالد بن سعيد والصقعب بن زهير الازدي وغيرهما من المحدثين فهو ما عليه جماعة المحدثين قالوا: انه قال: اختاروا منى خصالا ثلاثا اما ان ارجع إلى المكان الذي اقبلت منه، واما ان اضع يدى في يد يزيد بن معاوية فيرى فيما بينى وبينه رأيه واما ان تسيروني إلى أي ثغر من ثغور المسلمين شئتم فاكون رجلا من اهله لى مالهم وعلى ما عليهم.

(43) اللهوف على قتلى الطفوف، ص 17

(44) الكافي، ج 8، ص 234 – 235، الرقم: 313

(45) مرآة العقول، ج 26، ص 178 – 179

(46) الكافي، ج 8، ص 234 في الهامش

(47) خاتمة المستدرك، ج 5، ص 198، بحار الأنوار، ج 46، ص 138

(48) الغيبة للطوسي، الرقم: 247، كمال الدين، ج 2، ص 485

(49) كمال الدين، ج 1، ص 316، كفاية الأثر، ص 224 – 225

(50) الإمامة والتبصرة، الرقم: 106 و 107، كمال الدين، ج 1، ص 44، 303، 316 و 323 و ج 2، ص 479، 480 و 485، الغيبة للنعماني، ص 174 و 194

(51) الكافي، ج 2، ص 244 – 246

(52) تفسير القمي، ج 2، ص 159

وراجع: الفصول المختارة، ص 69: وَأَخْبَرَنِي الشَّيْخُ أَدَامَ اللَّهُ عِزَّهُ قَالَ: سُئِلَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مِيثَمٍ رَحِمَهُ اللَّهِ فَقِيلَ لَهُ لِمَ صَلَّى أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ع خَلْفَ الْقَوْمِ قَالَ جَعَلَهُمْ بِمِثْلِ سَوَارِي الْمَسْجِدِ . . .

(53) الجعفريات، ص 52

(54) مصنف ابن أبي شيبة، الرقم: 7560، الطبقات الكبرى، الرقم: 247، مسند الشافعي، الرقم: 324، السنن الكبرى للبيهقي، الرقم: 5303: ٧٥٦٠ – حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَالْحُسَيْنُ يُصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ، قَالَ: فَقِيلَ لَهُ: أَمَا كَانَ أَبُوكَ يُصَلِّي إِذَا رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: «لا وَاللَّهِ، مَا كَانُوا يَزِيدُونَ عَلَى صَلاةِ الأَئِمَّةِ»

(55) قرب الإسناد، الرقم: 397

(56) مسند أحمد، الرقم: 6484، المعجم الكبير، الرقم: 300، مجمع الزوائد، الرقم: 431، الكامل في التاريخ، ج 3، ص 254، أسد الغابة، ج 2، ص 48

(57) مناقب آل أبي طالب، ج 4، ص 319

(58) عيون أخبار الرضا، ج 2، ص 154

(59) الأمالي للصدوق، الرقم: 115، علل الشرائع، ج 1، ص 237: . . .فَقَالَ لَهُ الْمَأْمُونُ إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَعْزِلَ نَفْسِي عَنِ الْخِلافَةِ وَأَجْعَلَهَا لَكَ وَأُبَايِعَكَ. . .

(60) علل الشرائع، ج 2، ص 210 – 220